# فہرست مضامین


| | | |
|---|---|---|
| تعارف | 7 | |
| مقدمہ<br>ہمارے زوال میں<br>اخلاقی خرابیوں کا کردار | 8 | |
| مغربیت اور اسلامیت<br>دو تہذیبوں کا مطالعہ | 10 | |
| مغربی تہذیب سے وابستہ لوگوں کی<br>بعض خوبیاں | 17 | |
| تہذیب جدید کے علمبرداروں کا<br>انسانیت کے حوالے سے کردار | 19 | |
| مغربی تہذیب<br>اور اسلامی تہذیب<br>(مختصر جائزہ) | 21 | |
| اہل مغرب کی اپنے قومی اخلاق سے بہرہ وری<br>اور ہماری اسلامی اخلاق سے بے بہری | 23 | |
| تہذیب جدید کیا ہے؟ | 25 | |
| عورت اور مرد کی آزادی<br>مساوات مرد وزن کا تجزیہ | 27 | |
| مغربی تہذیب کو مادی تہذیب<br>بنانے میں فلاسفروں کا کردار | 37 | |





| | | |
|---|---|---|
| مغربی تہذیب کی نقالی<br>اور اس کے منفی اثرات | 40 | |
| اسلامی تہذیب میں اللہ کے لئے ایک دوسرے سے<br>ملاقات کی اہمیت | 42 | |
| انسانی نفسیات<br>مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب میں | 44 | |
| جدیدیت سے تاثیر پذیری کی نفسیات | 46 | |
| مغرب میں آباد مسلمانوں کے حالات | 49 | |
| جنسی ہیجان خیزی کی نفسیات<br>فکر مندی کی ضرورت | 51 | |
| مغربی تہذیب سے وابستہ لوگوں میں<br>دعوتی کام کی ضرورت | 54 | |
| سوشل میڈیا کی صحبت<br>اور اس کے طاقتور اثرات | 56 | |
| مادی تہذیب کے جدید آلے کے اثرات | 58 | |
| ہماری حالت زار<br>انسانیت سے بے بہری کا ہونا | 61 | |
| عقل اور دل کے درمیاں کشمکش<br>صاحب دانش اور صاحب دل کا تجزیہ | 63 | |
| اسلام کی بعض اہم تعلیمات<br>(احادیث نبوی کی روشنی میں) | 67 | |

| | | |
|---|---|---|
| 71 | اسلامی تہذیب کی بعض خصوصیات | |
| 74 | انسان کو طاقتور پاکیزہ تہذیب کی ضرورت | |
| 77 | نفس کی مختلف حالتیں | |
| 80 | دین کے اہم معاملات میں<br>تقلید کی اہمیت | |
| 83 | محبت کی نفسیات<br>اوراس کے تقاضے | |
| 85 | دنیاوی الجھنوں کی نفسیات<br>اوراس سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی ضرورت | |
| 87 | دینی معاملات میں غلو کی نفسیات | |
| 90 | دل اور ذہن کے درمیاں دوری کی نفسیات<br>اوراس کے المناک نتائج | |
| 93 | باطن کی اہمیت۔ خیالات کی طوفانی<br>لہروں کا ابھرتے رہنا۔ اصلاح کی ضرورت | |
| 96 | شہرت کی نفسیات | |
| 98 | حقیقی عشق سے دوری کی نفسیات | |
| 100 | نیکی اور نیکوکاری کی نفسیات | |
| 102 | علماء وصلحاء کی صحبت سے دوری کی فضا<br>اوراس کے اثرات | |
| 103 | اسلامی تہذیب میں ذکر کی اہمیت<br>ذکر کے بغیر شخصیت کا تاریک اور کردار سے بے بہرہ ہونا | |
| 106 | اشتعال کی نفسیات<br>معاشرے کے بڑے روگ کی نشاندہی | |





| | | |
|---|---|---|
| 108 | خدمت اور عاجزی کی صفات<br>اوران کے اثرات | |
| 110 | مغرب میں نومسلموں کے حالات<br>اوران کا دعوتی کام | |
| 113 | نماز اور قرآن کی غور وفکر سے تلاوت<br>اوراس کے اثرات | |
| 118 | صبر وشکر کے اوصاف | |
| 120 | جہاد کی اہمیت | |
| 122 | اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا | |
| 124 | اللہ کے لئے کسی چیز سے دستبردار ہونے کا انعام | |
| 126 | ذکر کے بغیر بحرانوں سے دوچار ہونا | |
| 127 | اداروں وتنظیموں میں<br>صاحب دل وصاحب معرفت کا ناگزیر ہونا | |
| 130 | عصر حاضر میں<br>مسلمانوں کو درپیش مسائل اور چیلنج | |

# تعارف

مغربی تہذیب، پہلے مغربی قوموں کی فوج کشی کے ذریعے ہمارے ہاں پہنچی، پھر ریاستی اور تعلیمی اداروں کے ذریعے اسے فروغ ملا، اب یہ تہذیب تیز ترین آلات کے ذریعے سارے بند توڑ کر دینی اداروں اور گھروں تک پہنچ چکی ہے۔

ان حالات میں اسلام کے تحفظ کے لئے ضروری ہے کہ مغربی اور اسلامی تہذیب کے بنیادی پہلو بیان کئے جائیں اور ان دونوں تہذیبوں کی نمایاں تعلیمات کو اجاگر کیا جائے تاکہ مغربی تہذیب کی اصلیت کو نہ جاننے کی وجہ سے غیر شعوری طور پر اس سے تاثیر پذیری کی جو صورتحال پیدا ہو گئی ہے، اس میں کمی واقع ہو اور اسلامی تہذیب کی پاکیزہ کی اہم تعلیمات سے بھی آشنائی ہو، اس سلسلے میں کچھ مضامین لکھے گئے تھے، جسے ''مغربیت اور اسلامیت ایک مطالعہ'' کے عنوان سے شایع کیا جارہا ہے، اگرچہ مغربی تہذیب اپنے گھر میں ناکام میں ہو چکی ہے اور اپنے لوگوں کو ذہنی، نفسیاتی، اخلاقی اور جسمانی طور پر سنبھالنے سے عاجز ہے، تاہم ہمارے ہاں اس کے ظاہری خوبصورتی کو دیکھکر اس سے مرعوبیت کی فضا موجود ہے۔

اس طرح کی کتابوں کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے تاکہ اپنی پاکیزہ تہذیب پر اعتماد پیدا ہو سکے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہم سب کے لئے نافع بنائے۔

**۱۷ ستمبر ۲۰۲۵ء** **محمد موسیٰ بھٹو**



# مقدمہ

## ہمارے زوال میں
## اخلاقی خرابیوں کا کردار

ہمارے زوال میں اخلاقی خرابیوں کا بہت اہم کردار ہے، اخلاقی خرابیوں کی حامل قومیں اس قابل نہیں ہوتی کہ انہیں آزاد چھوڑا جائے، اس لئے کہ اس سے فساد برپا ہوتا ہے، چنانچہ اخلاقی اعتبار سے کچھ طاقتور قوموں کو موقعہ دیا جاتا ہے کہ وہ انہیں غلام بنائیں، انگریز کی ہماری غلامی اسی کا نتیجہ اور سزا تھی، انگریز نے اپنے دورِ حکومت میں غلامی کی زنجیروں کو کَسا تاکہ ہمارے اخلاقی زوال میں مزید اضافہ ہو، اس نے اپنے ہاں تو اپنی نسلوں کی ذہنی تربیت کے لئے قومی اخلاق کے نام سے اخلاق کا ڈھانچہ تیار کر کے اسی بنیاد پر ان کی تربیت کی، لیکن ہمارے ہاں اس نے تربیت کے خانہ کو بالکل خالی رکھا، تاکہ بے کرداری و بے اخلاقی کی وجہ سے ہم غلامی کی سطح سے نکل نہ سکیں، انگریز نے رخصت ہوتے وقت ہماری غلامی کا پروانہ امریکہ کے ہاتھ میں دیدیا، بظاہر تو ہم آزاد تھے، لیکن آزادی کے پردے میں عملاً ہمارے ہاں امریکہ ہی کی حکومت رہی اور اس کی دی ہوئی پالیسیاں نافذ العمل رہیں، بظاہر تو غلام محمد، سکندر مرزا اور ایوب خان وغیرہ کی حکومت تھی لیکن عملاً پس پشت امریکہ ہی کی حکمرانی کارفرما تھی، امریکہ نے ہمارے اخلاقی زوال میں مزید اضافہ کیا۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہمارے اخلاقی زوال میں جہاں سب سے زیادہ ہمارا اپنا کردار تھا کہ ہم انسانیت کی حیثیت سے زندگی گذارنے کی صلاحیتوں سے ہی قاصر تھے (اور قاصر ہیں) وہاں مغرب کا کردار بھی فیصلہ کن تھا کہ اسے معلوم تھا کہ انسانی اخلاق کے اعتبار سے اگر ان کو تربیت کا موقعہ دیا جائے گا تو اخلاقی برتری کی وجہ سے نہ صرف یہ غلامی

کا طوق اتارنے میں کامیاب ہوں گے، بلکہ یہ انسانی اخلاق، اسلامی اخلاق میں تبدیل ہوں گے اور جہاں اسلامی اخلاق آئے گا وہاں ہماری غلامی کا دور شروع ہوگا، اس لئے کہ ایک تو ہمارے اخلاق کی بنیاد مستحکم نہیں، دوسرے یہ کہ ہماری اجتماعی زندگی بہت سارے معاملات میں پہلے ہی بگڑی ہوئی ہے، اس صورت میں ہمارا زوال سے بچنا محال تر ہوگا۔

سورۃ الرعد کی آیت نمبر ۱۷ میں ہے ''جھاگ تو رائیگاں چلا جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کے لئے نفع بخش ہے وہ زمین میں باقی رہے گی۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں پائداری اسی کو حاصل ہوتی ہے، جو لوگوں کو نفع پہنچانے کا باعث ہوتی ہے، جو اس صلاحیت سے محروم ہوتی ہے، وہ تو جھاگ کی طرح مٹ جاتی ہے، اس لئے جھاگ کی عمر مختصر ہوتی ہے۔

لوگوں کو نفع، پاکیزہ اخلاقی زندگی سے ہی ہوتا ہے، جس سے ملی اور قومی زندگی میں خوشگواری پیدا ہوتی ہے اور نئی توانائی بھی۔ اس اعتبار سے ہم اپنی قومی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں لوگوں کو نفع پہنچانے کی صلاحیت محدود سے محدود تر ہوگئی ہے، ذاتی اغراض اور مفادات کی خاطر لوگوں کو پامال کرنے کی ہماری حالت میں اضافہ ہوگیا ہے۔

اللہ ہماری حالت زار پر رحم فرمائے۔



# مغربیت اور اسلامیت

## دو تہذیبوں کا مطالعہ

لگ بھگ پچھلے تین سو سال سے مغربیت اور اسلامیت کی کشمکش جاری ہے، پاکیزہ تعلیمات اور تہذیب کی نفاست کے اعتبار سے تو اسلام کا پلڑہ بھاری ہے، لیکن عملی اعتبار سے مغربیت کو غلبہ حاصل ہے، اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں نے اجتماعی حیثیت سے اپنی عملی زندگی میں اسلامی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا ہے، ان کی زندگی پر دنیاداری کا رنگ غالب ہے، جس کی وجہ سے دنیا کے سامنے اسلامی تعلیمات روشنی کے مینار کی حیثیت سے سامنے نہ آسکی، اس کا دوسرا سبب یہ ہے کہ مغرب عسکری اور صنعتی فنون کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہو کر مسلم دنیا پر حملہ آور ہے، جب کہ مسلمان حکمران اور مسلمانوں کے مؤثر اور مقتدر طبقات سارے وسائل کے باوجود بے حسی اور بے بسی کا منظر بنے ہوئے ہیں، اس کا تیسرا سبب مغربیت سے ذہنی مرعوبیت اور ایمان کی غیر معمولی کمزوری کی حالت ہے جو مسلمانوں کی ساری قیادت پر طاری ہے۔

مغرب نے مسلم دنیا پر قبضے کے دوران ان کے تعلیمی اور روحانی نوعیت کے اداروں پر ضرب کاری لگا کر مسلمانوں کو جو ''تحفے'' دیئے، وہ نہایت مسموم تھے، ان میں رائے کی بے لاگ آزادی، عورت و مرد کے درمیاں مساوات، عورت کی عملی زندگی میں شرکت، دل کی صلاحیتوں کی قیمت پر عقل و عقلیت پر زور، مغربیت سے مرعوبیت، اسلام کو نیا پن بنانے کے لئے جدیدیت کی آمیزش، مادی زندگی کو خوبصورت بنانے کا جنون، اور نفس پرستی کے ''تحفے'' شامل ہیں۔

اہل مغرب نے سیکولر تعلیمی اداروں اور اپنی مادی فکر کی تشہیر کے ذریعہ مسلمانوں کے مؤثر طبقات کو اس مزاج اور ذہنیت کا حامل بنادیا، انگریز کے رخصت ہونے کے بعد حکمرانی، افسری اور قیادت کا ''شرف'' انگریز کے تیار کردہ انہی افراد کو حاصل ہوا، جنہوں نے لگ بھگ پچھلے ۸۰ سالوں کے دوران اسلامی قوانین کی ترویج اور فروغِ اسلام کا راستہ روک کر مغربی تہذیب کے لئے راستہ ہموار کیا، مقتدر و مؤثر طبقات جن کے پاس ریاست کے وسائل اور قانون سازی کے اختیارات حاصل تھے، وہ تو مغرب زدگی کی راہ پر گامزن رہے، جب کہ عوام اور دینی جماعتیں اسلامی معاشرے کی تشکیل اور حکومت کے رخ کو اسلامیت کی طرف موڑنے کے لئے کوشاں رہے، ہمارے مقتدر طبقات کو عالمی استعمار کی مکمل سرپرستی حاصل تھی، اس لئے کہ عالمی استعمار کی پہلے دن سے یہ کوشش رہی کہ مسلمان ملکوں کو اسلام اور اسلامیت کی طرف جانے نہ دیا جائے، ورنہ ایک تو مسلمان ممالک کے وسائل کی مختلف طریقوں سے لوٹ مار کا موقعہ نہ رہے گا، دوسرے یہ کہ اگر اسلام کی روشن تعلیمات کو ایک بار فروغ کا موقعہ ملا تو اس سے مغربی تہذیب (جو مادہ پرستی اور نفس پرستی پر مشتمل ہے) کا دنیا پر سے اعتماد ختم ہو جائے گا۔

مغربیت اور اسلامیت کی کشمکش کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ مغربیت دنیاوی زندگی ہی کو حرفِ آخر سمجھکر اسے خوبصورت سے خوبصورت بنانے کی علمبردار ہے اور اس کے لئے ساری ذہنی اور عملی توانائیاں صرف کرنا چاہتی ہے، جب کہ اسلام دنیا کو آخرت کی زندگی کی تیاری کا ذریعہ بنانا چاہتا ہے اور دنیا میں زیادہ الجھنے اور اپنی بیشتر توانائیاں اس میں صرف کرنے کا مخالف ہے، اسلام کہتا ہے کہ دنیا کے لئے اتنا کرو، جتنا دنیا میں رہنا ہے، آخرت کے لئے اتنا کرو جتنا آخرت میں رہنا ہے۔

مغربیت اور اسلامیت کی کشمکش کا دوسرا اہم پہلو یہ ہے کہ مغربیت، نفس کی خواہشات کو ابھارتی اور مشتعل کرتی رہتی ہے، وہ پوری انسانیت کو نفس پرست بنانے کی راہ پر گامزن ہے،



مغرب کی صنعتی، ٹیکنالوجی اور کاروباری ترقی کا مقصد ہی انسان کے سفلی جذبات کو ابھار کر اسے غالب کرنا ہے، اس سے انسان حیوان کی ترقی یافتہ صورت اختیار کرتا ہے، اس سے زیادہ اور کچھ نہیں، مغربیت انسانیت کا نقشہ نفس پرستی کی بنیاد پر استوار کرنا چاہتا ہے، اس کے لئے جدید ٹیکنالوجی کو حربے کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے، جب کہ اسلام کہتا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے، وہ سفلی خواہشات سے بلند ہو کر اللہ کے لئے زندگی گزارنے اور نفس کو الٰہ بنانے کی بجائے نفس کو اللہ کے تابع کرنے اور اللہ کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

مغربیت اور اسلامیت کے درمیان تیسرا فرق یہ ہے کہ مغربیت، انسانیت کو اپنی مادی ترقی کے لئے خام مال کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہے، تاکہ دنیا پر اس کی بالادستی قائم رہ سکے، جب کہ اسلام کہتا ہے کہ انسان اللہ کا کنبہ ہے، جو اللہ کے اس کنبے کے لئے اچھا ہے وہ اللہ کی نظر میں بہتر ہے۔

اسلام انسانیت کی ابدی زندگی بہتر بنانے کے لئے اسے عقیدہ توحید و رسالت و آخرت کی طرف لانا چاہتا ہے۔

اہل مغرب اپنی مادی تہذیب کے سلسلے میں بہت زیادہ حساس ہیں، وہ اسلام اور اسلامیت کو اپنا سب سے بڑا حریف سمجھتے ہیں، البتہ دوسرے مذاہب کی طرح مسجد اور مدرسے کی سطح تک اسلام کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں، لیکن مسلم ممالک میں اسلام جہاں بھی سیاسی سطح پر ابھرنا شروع ہوا، وہاں وہ بالواسطہ یا براہ راست مداخلت کرکے، اسلامی تحریک کو کچلنے کا راستہ اختیار کرتے ہیں، جب کہ اس معاملے میں اسلام کا موقف یہ ہے کہ ہر قوم کو اپنے اپنے نظرئے پر قائم رہنے دیا جائے، اور ان کی آزادی کو سلب نہ کیا جائے، البتہ دعوتی کام کے ذریعہ انہیں اسلام کی روشنی سے آشنا کیا جائے۔

اہل مغرب کا بڑا ہدف یہ ہے کہ مسلم ممالک کو قابو کیا جائے، انہیں سیاسی اسلام کی طرف کسی بھی صورت میں جانے نہ دیا جائے، اس کو وہ اپنی تہذیب کی بقا کے لئے ناگزیر

سمجھتے ہیں، افغانستان پر حملے کے وقت امریکہ کے اس وقت کے وزیر خارجہ نے کیا تھا کہ افغانستان سے ہماری تہذیب کو خطرہ لاحق ہے۔

خوبصورت موبائل کا ''تحفہ'' بھی ہمیں اہل مغرب کی طرف سے ہی ملا ہے، جس کے ذریعے ہماری نسلوں کو ایسا ماحول فراہم ہوا ہے کہ وہ بے حیائی اور جنسی مناظر کو دیکھنے میں محو ہوگئے ہیں، اور ان کی دینی اور ایمانی حالت خطرے سے دوچار ہے، مادی تہذیب کی طرف سے نہ معلوم آگے مزید کون سی ایجادات سامنے آئیں گی جس سے ذہن اور دلیں اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے مسموم ہوتی جائیں گی اور ایمان کی حالت زیروزبر ہوتی رہے گی۔

اسلامی تہذیب اگرچہ طاقتور ہے، وہ اپنے ماننے والوں کو اس طرح کی مادیت کی طوفانی لہروں سے بچانے کا کردار ادا کرتی ہے اور اب بھی کر سکتی ہے، لیکن اس کے لئے بھی طاقتور پاکیزہ روحانیت چاہئے، جو اس وقت مفقود ہے، اسکول، کالج، بازار ہر طرف مادی ماحول کا غلبہ ہے، مادی ماحول سے مادی ذہن کے افراد ہی پیدا ہوں گے۔

ہماری پاکیزہ اسلامی تہذیب کے لئے اس دور کا سب کا بڑا خطرہ جدید موبائل ہے، اس کے منفی اور مسموم اثرات سے بچنا دشوار تر ہے، مغرب کی طرف سے جو نت نئے ''تحفے'' مل رہے ہیں، ان میں یہ ''تحفہ'' سب سے زیادہ منفی نوعیت کا ہے۔

عصر حاضر کی سب سے بڑی کشمکش یہی ہے کہ جدید مادہ پرست قوتیں اسلام کو سیاسی نظام زندگی کی حیثیت سے ابھرتے ہوئے دیکھنا نہیں چاہتی، اس لئے کہ اس سے ایک تو ان کے مفادات پر ضرب کاری لگتی ہے، دوسرے یہ کہ اس سے ان کی تہذیب کو خطرہ لاحق ہے کہ اسلام کے غلبے کی صورت میں مادیت اور مادی قوتوں کو راہ فرار اختیار کرنا پڑے گا۔

یہ وہ کشمکش ہے، جو مسلمان ممالک بالخصوص پاکستان، مصر، ترکی وغیرہ میں عرصے سے جاری ہے۔ ترکی میں اب کچھ بہتر تبدیلی آئی ہے، تاہم اب بھی وہاں کی سیاست میں مغرب کو کافی عمل دخل حاصل ہے۔

ان حالات میں پاکستان میں دینی عناصر کو کام کرنے کا کافی موقعہ ملا، انہوں نے اپنی بساط کے مطابق کام کیا بھی، لیکن اس کام میں مغربیت کے اثرات کی روک تھام اور معاشرے



میں اسلام کے فروغ میں زیادہ کامیابی نہ ہو سکی، اس کا ایک سبب یہ رہا کہ اہل مغرب کی جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے جدیدیت کے اثرات تیزی سے پھیلنے لگے اور ان کی روک تھام کی صورت پیدا نہ ہو سکی، اس کا دوسرا بڑا سبب یہ ہے کہ دینی جماعتوں یا دینی مدارس کی طرف سے جو افراد تیار ہوئے، ان میں زیادہ تر افراد کی دل اور عقل کے درمیان ہمہ آہنگی پیدا نہ ہو سکی، دوسرے الفاظ میں مدارس کے فارغ ہزاروں لاکھوں افراد اور دینی جماعتوں سے وابستہ کارکنوں میں دعوتی جذبہ تو موجود رہا اور وہ معاشرے میں کام بھی کرتے رہے، لیکن ان میں کردار کی خوشبو اور کشش کا فقدان رہا، کردار کی یہ خوشبو اور کشش تزکیہ کے لئے مجاہدوں سے ہی پیدا ہو سکتی تھی، لیکن دینی مدارس اور دینی جماعتوں نے علم کی طرف تو توجہ دی، لیکن اپنے ساتھ وابستہ افراد کے تزکیہ کا خصوصی اہتمام نہیں کیا، جس کی وجہ سے دعوتی کام کے لئے بے لوثی، ایثار، قربانی اور دل کی صلاحیتیں بہت ہی کم شامل ہو سکیں۔

پھر علماء میں فرقہ واریت کا پہلو بھی غالب رہا، جس کی وجہ سے مذہبی طبقے سے لوگوں کی ہمہ آہنگی پیدا نہ ہو سکی۔

دینی سیاسی جماعتوں کی کمی یہ رہی کہ ان کی ساری قوت سیاست اور حکومت کی تبدیلی کے کام میں رہی، کارکنوں کی تربیت اور اسلامی نقطہ نگاہ سے معاشرے میں نفوذ کا کام کافی حد تک متاثر رہا، ان سارے اسباب نے مل ملا کر ہمارے معاشرے کی حالت یہ کر دی ہے کہ وہ اپنی عملی زندگی میں اسلام کی پابندیاں قبول کرنے کے لئے کم ہی آمادہ ہیں، اور مغرب کی طرف سے جدید تیز تر میڈیا کے ذریعے جنسی جذبات کو ابھارنے کی جو طوفانی لہر شروع ہوئی ہے، اس نے نوجوان نسل کو اس لہر کی نذر کر دیا ہے۔

ان حالات میں صوفیائے کرام کے لئے اصلاح و تربیت کے کام کے مواقع ایک تو کم تھے، اس لئے کہ جدیدیت کی فکر نے ہماری نسلوں کی یہ ذہن سازی کہ دل کی کوئی جداگانہ حیثیت نہیں ہے، دل کو بنانے یا تربیت کے لئے صوفیاء کی طرف رجوع کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اسلام سیدھا سادا دین ہے، جو معلومات سے حاصل ہوتا ہے اور عمل کے لئے روحانی صلاحیتوں کی بیداری کا نقطہ نگاہ بالکل غلط ہے، جدید نسلوں میں مغرب سے مرعوبانہ فکر

کی وجہ سے اس نقطہ ہائے نظر نے بھی سخت نقصان پہنچایا اور اہل تصوف کی طرف اصلاح کی نیت سے رجوع کم ہوا، اہل تصوف کی طرف رجوع میں کمی کا دوسرا سبب یہ رہا کہ خلافتوں کی تقسیم میں احتیاط سے کام نہیں لیا گیا، جس کی وجہ سے پیری کی مسند پر فائز ہونے کے بعد مال بنانے کی کوشش تیز ہوئی، جس کی وجہ سے اہل تصوف سے بد ظنی پیدا ہوئی۔

ان حالات میں ضرورت ہے کہ تبلیغی جماعت کی طرح ایک تحریک سامنے آئے، جو فی الوقت سیاست کو ہدف بنانے کی بجائے معاشرے کو ہدف بنائے، اور اسلام کے کامل نظام زندگی کے شعور کو بھی اجاگر کرے اور لوگوں کی دینی اور اخلاقی طور پر بہتر سے بہتر تربیت کرے، تبلیغی جماعت جو کام کر رہی ہے، وہ کام ہوتا رہنا چاہئے، اس سے بھی معاشرے کی اصلاح ہی ہوتی ہے، لیکن جدید مادہ پرست قوتوں کے چیلنج کا شعور ہونا اور اسلام کو نظام زندگی کی حیثیت سے قائم کرنے کا ادراک ہونا بھی ناگزیر ہے، جب تک معاشرہ قابل ذکر حد تک اسلام سے ہمہ آہنگ نہیں ہوتا، تب تک سیاست میں توانائیاں صرف کرنا فوائد کے بجائے نقصانات کا موجب ہے۔

ہمارے مقتدر طبقات کو سوچنا چاہئے کہ مغرب کی تقلید کر کے وہ کس کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں، اس وقت اہل مغرب خود انتہائی دکھی حالت میں ہیں کہ ان کا گھر ولی اور خاندانی نظام تباہی سے دوچار ہے، ان کی نسلیں بے راہ روی اور شدید جنسی ہیجان کی حالت سے دوچار ہیں، دنیا میں ذہنی اور نفسیاتی بیماریاں سب سے زیادہ یورپ اور امریکہ میں ہیں، ان حالات میں مغرب کے پاس سوائے مادہ پرستی اور نفس پرستی کے اور کچھ بھی نہیں ہے، ہمارے پاس تو زندگی کے ہر شعبے کے لئے اسلام جیسی پاکیزہ تعلیمات موجود ہے، اس پاکیزہ تعلیمات کے باوجود ہم دنیا سے خیرات کے طور پر نظریات کی بھیک مانگتے پھریں اور ملک میں اس پاکیزہ تہذیب کو رواج دینے اور ملک کے مسائل حل کرنے کے لئے اسلامی تعلیمات اور قوانین سے کام نہ لیں، یہ سب سے زیادہ محرومی کی بات ہے، اس کی سزا ہم کافی بھگت چکے ہیں کہ ہمارا معاشرہ ٹوٹ پھوٹ اور انتشار کا شکار ہے، قومی وحدت بری طرح متاثر ہے۔



اسلامی تہذیب اور اسلامی نظام کو اپنانے پر ہم اللہ کی نعمتوں اور رحمتوں سے اس طرح نوازے جائیں گے کہ ہمارا بحران اور اجتماعی زندگی میں موجود سارا خلفشار دور ہو جائے گا، اللہ کی غیبی مدد اس طرح ظاہر ہو گی کہ ہمارے قرضے اتر جائیں گے اور ہم اپنوں اور غیروں کی مدد کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔

قرآن میں اسلام کو مکمل طور پر اپنانے سے اللہ کی غیبی مدد کے اس طرح کے وعدے موجود ہیں، کاش کہ ہمارے مقتدر طبقات سمجھ سے کام لیں۔

ہمارے ہاں اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اسلام سے ہمہ آہنگ اخلاقیات کو ترجیح دیں، جس کے تحت لوگوں کو پابند بنائیں کہ وہ جھوٹ نہ بولیں، وعدہ کی پاسداری کریں، رشوت نہ لیں نہ دیں، اشیائے ضرورت کی من مانگی قیمت نہ بڑھائیں، خیانت اور دھوکہ دہی سے کام نہ لیں، دوسروں کو کسی بھی سطح پر نقصان نہ پہنچائیں، چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپس میں لڑنے سے بچیں، پولیس کی تربیت کریں کہ وہ لوگوں سے ناروا سلوک نہ کریں، عدالت کو پابند کریں کہ وہ بڑے بڑے کیسز کا سال دو میں فیصلہ کریں، لوگوں کے بہت سارے جھگڑے ایسے ہیں جو شہری سطح پر علماء کے حوالے کئے جائیں وہ ان کے فیصلے کریں۔

اگر ہماری قیادت مخلص ہے تو اس طرح کے بہت سارے کام آسانی سے ہو سکتے ہیں، جس سے ہماری اپنی پاکیزہ تہذیب سے بھی مناسبت ہوتی تو ساتھ ساتھ لوگ ان مسائل اور مشکلات کی وجہ سے بحران سے بچ جائیں گے۔

مہذب قومیں معاشرتی اور سماجی زندگی میں اس طرح کی قانون سازی کرتی ہیں اور اپنے لوگوں کی تربیت بھی، جس سے لوگوں کی زندگی زہر آلودہ ہونے سے بچ جاتی ہیں اور وہ اپنے ملک سے محبت کرنے لگتے ہیں، لیکن ہمارے ہاں مذکورہ سارے معاملات میں پیدا شدہ بگاڑ کی وجہ سے لوگ ملک سے مایوس ہو کر یورپ اور امریکہ میں جا کر آباد ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔

ہمارے مقتدر طبقات کو خدا خوفی اور انصاف سے کام لے کر پورے انتظامی نظام کی اسلامی بنیادوں پر تشکیل کا کام کرنا چاہئے۔

# مغربی تہذیب سے وابستہ لوگوں کی بعض خوبیاں

یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی بھی تہذیب ساری خرابیوں سے عبارت نہیں ہوتی، اس میں مثبت اور صحتمند پہلو بھی موجود ہوتے ہیں، اگر کسی تہذیب میں مثبت پہلو موجود نہ ہوں تو وہ مٹ جاتی ہے اور اسے زندہ رہنے کا حق نہیں ہوتا، یہی معاملہ مغربی تہذیب کے ساتھ ہے کہ وہ اب تک زندہ ہے اور مختلف پہلوؤں سے بظاہر ترقی کر رہی ہے۔

مغربی تہذیب کی وہ خوبیاں جو اسے باقی رکھے ہوئی ہے، وہ کچھ اس طرح ہیں، نظام تعلیم کے ذریعہ اپنی قوم سے وابستہ افراد کی تربیت اس طرح کرتی ہیں کہ وہ مادی طور پر عروج وزوال کے اصولوں سے واقف ہو جاتے ہیں پھر وہ زندگی بھر ان اصولوں کی پابندی کرنے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں۔

وہ ملک و قوم کو نقصان پہنچانے سے حتی الامکان بچنے کی سعی کرتے ہیں، ملک سے آخری حد تک محبت کرتے ہیں، ہمارے ہاں لوگ ملک سے بد ظن ہو کر مغربی ملکوں میں آباد ہونے کو اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں، جب کہ مغربی تہذیب سے وابستہ افراد اپنے ملک سے دوسرے ملکوں میں منتقل ہونے کے لئے سوچ بھی نہیں سکتے۔

وہاں ریاست سے وابستہ مختلف شعبوں کے افسران قومی خدمت کے کاموں کو خوشی سے سرانجام دیتے ہیں، لوگوں سے رشوت لینے کے لئے دفتری رکاوٹوں کا بہانہ بنا کر لوگوں کو برسوں تک پریشان نہیں کرتے، وہ نہایت مستعدی سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے لوگوں کی مشکلات حل کرتے ہیں۔

مغربی ملکوں میں عدلیہ آزاد ہوتی ہے، کوئی دباؤ قبول کرتی ہے اور نہ ہی پیسے لیتی ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عدلیہ کے ہاں آنے والے بڑے سے بڑے فیصلہ سال دو کے



اندر طے ہو جاتے ہیں، جب کہ ہمارے ہاں یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کی عمریں پوری ہو جاتی ہیں، فیصلے نہیں ہو پاتے، وہ بیچارے انصاف کے انتظار میں بیس بیس سال تک عدالت کے چکر کاٹتے رہتے ہیں۔

وہاں دفتری اوقات میں لوگ پابند ہوتے ہیں کہ وہ صرف اور صرف دفتری کام سرانجام دیں، اسے وہ اپنی اخلاقی ذمہ داری سمجھتے ہیں، جب کہ ہمارے ہاں دفتری اوقات میں لوگ باتوں اور ملاقاتوں میں وقت صرف کر دیتے ہیں۔

وہاں لوگ وقت کی پابندی کرتے ہیں، وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتے، مصنوعی طور پر مہنگائی بڑھانے کی کوشش نہیں کرتے، پھر وہاں فلاحی سسٹم موجود ہے جس کے تحت لوگوں کی روزی کا انتظام ہوتا ہے اور ہر شہری کا مفت میں بیماری کا علاج ہوتا ہے، علاج پر چاہے لاکھوں روپے کے اخراجات ہوں، وہ حکومت کے ذمہ ہوتے ہیں، بیمار کی بیماری کی نوعیت اگر کچھ سنگین ہے تو اس کے گھر پر ۲۴ گھنٹے سرکاری گاڑی کھڑی ہوتی، جو ہنگامی حالات میں اسے اسپتال پہنچاتی ہے۔

یہ اور اس طرح کی بعض خوبیاں مغربی تہذیب سے وابستہ افراد میں ایسی ہیں، جو ان قوموں کو اب تک زندہ رکھے ہوئی ہیں اور ان کے لئے ترقی کا ذریعہ بھی ہیں، اگرچہ ان کے ہاں پاکیزہ اخلاقیات پر مبنی نظام نہیں ہے، لیکن قومی اخلاق اور کاروباری اخلاق موجود ہے، جس کے وہ فوائد سمیٹ رہے ہیں۔

# تہذیب جدید کے علمبرداروں کا

## انسانیت کے حوالے سے کردار

تہذیب جدید اور اس کے علمبرداروں کو اللہ نے بڑا موقعہ دیا کہ وہ اپنی برتری کے دور سے فائدہ اٹھا کر، انسانوں کے سامنے اچھا ماڈل پیش کریں، اور انہیں مالی اعتبار سے اپنا محتاج بنانے اور ان پر اپنی پالیسیاں مسلط کر کے ان کے وسائل پر قبضہ جمانے کے بجائے سب کو یکساں طور پر زندہ رہنے اور ترقی کرنے کے مواقع دیں، آزادی کو صرف اپنا حق سمجھکر دوسروں سے آزادی سلب کرنے اور انہیں اپنا ذہنی غلام بنانے کی کاوشیں نہ کریں، نیز انسانیت کے حقوق کے مسائل کو اپنے مسائل سمجھتے ہوئے سب کے حقوق کا احترام کریں، لیکن مغربی تہذیب اور اس کے علمبرداروں نے آزادی، حقوق اور ترقی کو اپنی میراث سمجھکر دوسری قوموں کو پامال کر کے، اپنی برتری کو قائم رکھا اور قدرت کی دی ہوئی اس مہلت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، پاکستان میں پچھلے ۷۵ سال سے آزادی اور حقوق کے نام پر جو کھیل کھیلا جارہا ہے، کون نہیں جانتا کہ اس کھیل کے پس پردہ امریکہ کا ہاتھ ہے، حالت یہ ہے کہ باصلاحیت افراد سے آگے بڑھکر کام کرنے کے مواقع سلب کر دیئے گئے ہیں، اسلامی تہذیب کے فروغ کے راستے شروع سے روک دیئے گئے ہیں۔

زیادہ نہیں تو جو آزادی اور حقوق مغربی تہذیب کے علمبرداروں نے اپنی قوموں کے لئے روا سمجھے ہیں، اگر دوسری قوموں کو بھی ان حقوق سے بہرہ ور ہونے کا موقعہ دیتے اور وہاں آمریتوں کو مسلط کرنے میں کردار ادا نہ کرتے تو یہ بھی مغربی تہذیب کے علمبرداروں کا قوموں پر بڑا احسان ہوتا، لیکن بُرا ہو جذبہ بالادستی اور غلبہ مفادات کا کہ اس نے تہذیب جدید کے علمبرداروں کو ایسا کرنے نہیں دیا، پچھلے تین سو سال سے دنیا یہ منظر دیکھ رہی ہے کہ تہذیب جدید کے علمبرداروں نے شروع میں فوج کشی کے ذریعہ قوموں کو غلام بنایا، اس کے



بعد اپنے تیار کردہ ذہنی غلاموں کے ذریعہ قوموں کو اپنی غلامی کی زنجیروں میں کسنا شروع کیا، لگ بھگ پچھلے ایک سو سال سے یہ کردار امریکہ ادا کر رہا ہے۔

اگرچہ تہذیب جدید کے علمبرداروں کے پاس انسانیت کو دینے کے لئے پاکیزہ اقدار اور اخلاقیات کا پاکیزہ سرمایہ موجود نہیں ہے، لیکن آزادی اور انسانی حقوق کے حوالے سے تو ان کے پاس کچھ نہ کچھ سرمایہ موجود تھا اور موجود ہے، جس سے انہوں نے اپنی قوموں کو بہرہ ور کیا، اگر یہی انسانی حقوق وہ اپنے ذہنی غلاموں کے ذریعہ دوسری قوموں اور ملکوں کو عطا کرتے تو کہا جاسکتا تھا کہ تہذیب جدید نے انسانیت کو کچھ نہ کچھ تو دیا ہے۔

مغربی تہذیب کے علمبرداروں کو ایک ہی فکر دامنگیر ہے، جس کے تحت ان کی خارجی پالیسیاں بنتی ہیں، وہ یہ ہے کہ کہیں کسی بھی مسلمان ملک میں اسلامی تہذیب اور فکر کا غلبہ نہ ہونے پائے، اس لئے کہ اگر کسی ملک میں اسلام کو عملا غلبہ حاصل ہو گیا تو پھر دنیا پر سے ہمارا غلبہ باقی نہ رہے گا، افغانستان پر فوج کشی کرتے وقت امریکہ کے وزیر خارجہ نے کہا تھا کہ افغانستان سے ہماری تہذیب کو خطرہ درپیش ہے، اور اپنی تہذیب کو بچانے کے لئے فوج کشی ناگزیر ہے۔

افغانستان جو ہر اعتبار سے پسماندہ ہے اور جو امریکہ سے دور دراز ہے، وہاں سے امریکہ جیسی سپر پاور کو کیا خطرہ ہو سکتا تھا، یہ دراصل افغانیوں کی اسلامی تہذیب سے حمیت کی حد تک وابستگی کا چیلنج تھا، جو امریکہ کو درپیش تھا۔

انسانیت کو امن چاہئے، جنگوں سے بچاؤ کی حالت چاہئے، دو وقت کی روٹی چاہئے، ملکوں اور قوموں پر بالواسطہ تسلط سے نجات چاہئے، ان سے اپنی قوم کی طرح معاملہ کرنا چاہئے، سود در سود کے ذریعہ ملکوں کو غلامی سے چھٹکارہ چاہئے، یہ ایسی چیزیں ہیں، جو انسانیت کی ناگزیر ضرورت ہیں، مغرب اپنی عالمگیر بالادستی کے دور میں اگر انسانیت کو یہ چیزیں دے سکے تو یہ انسانیت پر اس کا احسان شمار ہوگا، لیکن مغرب قوموں اور ملکوں پر اپنی ہمہ جہتی بالادستی سے دستبار ہونے کے لئے تیار نہیں ہے تو انسانیت کی آہیں اسے بھی اسی طرح کے زوال سے دوچار کر دیں گی، جس طرح ماضی کی دوسری بالادست قومیں زوال سے دوچار ہوئیں۔

# مغربی اور اسلامی تہذیب

## (مختصر جائزہ)

اس وقت دنیا میں دو تہذیبیں ہیں، جن سے لوگوں کی بڑی تعداد وابستہ ہے، اسلامی تہذیب آفاقی تعلیمات پر مشتمل ہے جو فطرت انسانی سے بھی ہم آہنگ ہے، جب کہ مغربی تہذیب عقل کے استعمال کے ذریعہ وجود میں آنے والے نظریات پر مشتمل ہے، جس میں خواہشات نفس کے مطابق زندگی گزارنے پر زور ہے، وہ چیز اچھی ہے جس سے خواہشات کی تکمیل ہو اور ہر وہ چیز بری ہے، جس سے خواہشات کی روک تھام کی صورت پیدا ہو، مغربی تہذیب نے ٹیکنالوجی کو ترقی دی، اور اسے حد سے زیادہ اہمیت دی، اس ٹیکنالوجی کے ذریعہ دو نقصان ہوئے، ایک تو جنسی میلاپ کے عمل کی ٹیکنالوجی کے ذریعہ بہت زیادہ تشہیر ہوئی، جس سے خود ان کی نسلیں، اسکول کے بچے اور لڑکیاں تک جنسی عمل میں مبتلا ہوئیں، جس سے ان کی صلاحیتیں تعلیم سے ہٹ کر جنسی عمل کی طرف ہونے لگی، ٹیکنالوجی سے دوسرا نقصان یہ ہوا کہ اس سے مصنوعی ذہانت کا دروازہ کھل گیا، اس سے معلومات تو بہت حاصل ہوئیں، لیکن انسانی ذہانت کا بحران پیدا ہوا اس کی وجہ یہ بنی کہ جب لوگوں کو ہر موضوع پر تیار شدہ مواد ملنے لگا تو وہ غور و فکر اور تحقیق سے کام کیوں لیں۔ چنانچہ انسانی ذہانت کے زیادہ استعمال سے مغرب نے جو ترقی کی تھی، مصنوعی ذہانت نے ترقی کے اس عمل کو روکنے کا کردار ادا کیا، خواہشات نفس اور ٹیکنالوجی کے زیادہ استعمال نے مغرب کو زوال سے دوچار کر دیا ہے۔

اسلامی تہذیب میں اچھائی اور نیکی کا معیار خواہشات نفس کو ضابطہ میں لا کر اسے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں لانا اور انسان کو سلیقہ انسانیت سے بہرہ ور کرنا ہے، بُرائی وہ ہے جس سے خواہشات نفس کی تکمیل ہو اور انسانی وقار کے منافی سرگرمیاں ہوں۔



اس دور میں اسلامی تہذیب کو پوری طرح کام کرنے کا موقعہ اس لئے نہ مل سکا کہ مغرب کی تعلیمی، عسکری اور مالیاتی بالادستی نے مسلمان ممالک کے مؤثر طبقات کو مغرب کی ذہنی غلامی کی حالت میں مبتلا کر دیا۔ اور انہوں نے مسلمان ممالک میں اسلامی تہذیب کو نہ صرف فروغ ہونے نہیں دیا، بلکہ انہوں نے ریاستی وسائل کو مغربی تہذیب کی برتری کے مقصد کے لئے استعمال کیا، اس طرح انہوں نے اسلام اور اسلامیت سے بھی انحراف کی راہ اختیار کی تو دنیا کو اسلام جیسی روشن تہذیب سے آشنا کرنے سے محروم رکھا۔

مغرب کا پوری طرح زوال سے بچنے کا سبب یہ ہے کہ ان میں بعض خوبیاں کسی حد تک موجود ہیں، عدلیہ کی آزادی، روزگار کی ضمانت، وقت اور وعدہ کی پابندی، کاروباری، سیاسی اور قومی اخلاق، دنیا بھر کے باصلاحیت اور علوم و فنون کے ماہر افراد کو اپنے ملکوں میں آباد ہو کر ان کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنا وغیرہ۔

# اہل مغرب کی اپنے قومی اخلاق سے بہرہ وری

## اور ہماری اسلامی اخلاق سے بے بہری

مغرب اپنے تراشیدہ اور تائم کردہ قومی اور کاروباری اخلاق سے بہرہ ور ہے، جس کی وجہ سے دوسرے معاملات میں زوال کے باوجود وہ باقی ہے اور دنیا پر اس کی بالادستی قائم ہے، اخلاق قومی ہو، کاروباری ہو یا دینی نوعیت کا اخلاق، اخلاق، اخلاق ہی ہوتا ہے، قومی زندگی پر اس کے گہرے اثرات ثبت ہوتے ہیں، لیکن دینی اخلاق کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے لئے ہوتا ہے، اس میں دوسری کوئی غرض شامل نہیں ہوتی، اس لئے دینی اخلاق کے ساتھ اللہ کی برکت کا نظام شامل ہو جاتا ہے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نہ تو قومی اور کاروباری اخلاق سے مزین ہیں، نہ ہی دینی اخلاق سے، اس کا نتیجہ ہے کہ ہم ہر طرح کے بحران سے دوچار ہیں، ہمارے لاکھوں ذہین و باصلاحیت افراد اخلاقی بحران کی وجہ سے ملک سے بدظن ہو کر مغرب منتقل ہو رہے ہیں۔

مغرب کا قومی و کاروباری اخلاق دنیا بھر کے لوگوں کو مغرب کی طرف کھینچنے کا باعث بن رہا ہے۔

قومی اور کاروباری اخلاق ملک کے ساتھ وفاداری کے جذبے کو جنم دیتا ہے، اس سے باہم شکوہ شکایات کا موقعہ کم پیدا ہوتا ہے، قومی وحدت کی فضا پیدا ہوتی ہے۔

اہل مغرب نے دین و مذہب سے دوری کے باوجود بعض اہم معاملات میں اپنے لوگوں میں قومی اخلاق کیسے پیدا کیا، اس لئے کہ ہمارا موقف یہ رہا ہے کہ اخلاق عبادت، ذکر و فکر اور اللہ کی محبت اور تزکیہ کی کوششوں سے پیدا ہوتا ہے۔

اہل مغرب کا قومی اخلاق دراصل ان کے نظام تعلیم و تربیت کا حصہ ہے، بچہ اسکول میں داخل ہوتے ہی اسے نہ صرف عرصے تک قومی اخلاق سے آشنا کیا جاتا ہے، بلکہ ان کے ذہن



میں یہ بات بٹھائی جاتی ہے کہ جھوٹ، رشوت، خیانت، بدعہدی، وعدہ خلافی، دوسروں کی رقم ھضم کرنا، قومی ذمہ داریوں سے غفلت کا مظاہرہ کرنا، دوسروں کے نقصان کی قیمت پر دولت کمانا وغیرہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو کسی بھی قوم کے لئے موت کی حیثیت رکھتی ہیں، ایسی قومیں زوال کا شکار ہوتی ہے، وہ دراصل ملک کی سلامتی سے کھیل رہی ہوتی ہیں، اس لئے زوال سے بچنے کے لئے قومی اخلاق کو ہر صورت میں قائم اور برقرار رکھنا ہے۔

قومی اخلاق کو عزیز سے عزیز تر رکھنے کے لئے اخلاق کی یہ تربیت ان کے تعلیم کا بنیادی حصہ ہے۔

مغرب نے قوموں کے عروج و زوال کے مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قومی اخلاق کے بغیر بقا اور سلامتی کا حاصل ہونا محال تر ہے۔

اس قومی اخلاق کے کچھ مضمرات بھی ہیں جن میں خاندانی نظام کی تباہی، شراب کے کثرت سے استعمال اور ڈپریشن کی بڑھتی ہوئی واردات کے باوجود ان کی بالادستی اور قومی وحدت کا نظام قائم ہے، اور دنیا بھر کے باصلاحیت لوگ ان کے ہاں جا کر ان کے نظام کے لئے تقویت کا باعث بن رہے ہیں۔

اس اعتبار سے ہم کہاں کھڑے ہیں؟ یہ حالت ایسی ہے جو غمناک ہے اور دردمند افراد کو رلانے کا ذریعہ بھی۔

جب مقتدر طبقات کی اخلاقی حس باقی نہیں رہتی تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے، اخلاق کی پاکیزہ تعلیمات کے باوجود ہماری یہ حالت قابل رحم ہے۔

# تہذیب جدید کیا ہے ؟

تہذیب جدید کہتی ہے کہ جو کچھ بھی مادی زندگی ہے، اس دنیا کے بعد کوئی زندگی نہیں، اس لئے اس کی فکر عبث ہے، مادی زندگی پر مرمٹنا اور اس میں اپنی ساری صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کرنا، یہ تہذیب جدید کا خاصہ ہے۔

اس وقت تہذیب جدید پوری دنیا پر چھائی ہوئی ہے، اس لئے کہ انسان کی ذہن سازی کے سارے جدید ذرائع تہذیب جدید کے علمبرداروں کے پاس ہیں۔

خالص مادی زندگی افراد میں جو ہلچل برپا کرتی ہے، افراد کو جس طرح نفسیاتی مریض بناتی ہے کہ وہ کسی کام کے قابل نہیں رہتے، تہذیب جدید اس کا علاج نہیں ہے، سوائے نشہ آور گولیوں اور اچھے جملوں کے تکرار کے۔

تہذیب جدید کے علمبرداروں نے یقیناً مادی طور ترقی کی ہے، اتنی ترقی کہ انسانی تاریخ میں اتنی مادی ترقی کبھی نہیں ہوئی، لیکن اس مادی ترقی نے فکری انتشار میں جو اضافہ کیا ہے، وہ بھی کبھی نہیں ہوا۔

تہذیب جدید نے نہ صرف اہل مغرب کو بلکہ پوری انسانیت کو متاثر کیا ہے، اس لئے کہ ٹیکنالوجی اور سُبک رفتار سفری سہولتوں نے دنیا کو سمیٹ کر ایک شہر یا ایک ملک کی صورت دی ہے۔

پوری انسانیت کو متاثر کرنے والی تہذیب کے علمبرداروں پر انسانیت کے حوالے سے یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ روح جو اٹل حقیقت ہے، جس کا انکار ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ موت روح کے نکل جانے کا نام ہے، اس روح کی نوعیت اس کے تقاضوں اور اس کی ضروریات پر بھی تحقیق سے کام لیتے، تاکہ روح کی بیماری کی وجہ سے پیدا ہونے والی ذہنی،



نفسیاتی، اخلاقی اور باطنی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ ادراک ہوتا اور ان بیماریوں سے بچاؤ کی بھی کسی حد تک صورت پیدا ہوتی۔

تہذیب جدید کے علمبردار دنیا بھر کے معاملات میں تحقیق کے بارے میں تو سنجیدہ ہیں لیکن اگر سنجیدہ نہیں تو روح اور وحی کی نوعیت کے بارے میں۔

سارے مذاہب کی بنیاد وحی پر رہی ہے، اگرچہ اب سوائے اسلام کے، دوسرے مذاہب میں وحی کی اصل نوعیت باقی نہ رہی ہے، تہذیب جدید کے علمبرداروں کو وحی کی اس مسلمہ حیثیت کی وجہ سے اس کے بارے میں بھی غور و فکر سے کام لینا چاہئے تھا کہ اس میں کہاں تک حقیقت موجود ہے، لیکن بد قسمتی سے تہذیب جدید اس سے بے نیاز ہے۔

تہذیب جدید کو تو صرف آزاد اور آزادانہ زندگی، جس میں خواہشات نفس کی حکمرانوں ہو، اس کے علاوہ تہذیب جدید کو انسان کے دوسرے بنیادی حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ انسانیت کا المیہ ہے کہ اسے ایسی تہذیب سے وابستہ سابقہ پڑا ہے، جو انسانی شخصیت کے بہت بڑے حصے اور اس کی بہت ساری بنیادی اور حقیقی ضرورتوں سے ناآشنائے محض ہے۔

# عورت اور مرد کی آزادی

## مساوات مرد وزن کا تجزیہ

مغرب میں آزادی کی لہر طاقتور ہے، آزادی بھی ہر طرح کی، دین ومذہب کی حقیقی شکل سے آزادی، گھر سے آزادی، نکاح کے رشتے میں منسلک ہونے سے آزادی، ہر شعبہ زندگی میں مرد کے ساتھ مل کر کام کرنے کی آزادی، بچے پیدا نہ کرنے کی آزادی، اگر بچے پیدا ہوں تو ان سے جان چھڑا کر سرکاری تحویل میں ان کے پالنے کی آزادی، جنس پر قدغن نہ ہونے کی آزادی، سودی کاروبار کے ذریعہ غریبوں سے دولت لوٹنے کی آزادی اور دولت کی چند طبقات میں مرتکز ہونے کی آزادی، غرض کہ مغرب میں ہر طرح کی آزادی موجود ہے، لیکن سب سے زیادہ جس آزادی نے انہیں بحیثیت قوم شدید نقصان اور بحران سے دوچار کیا ہے، وہ عورت کی بے لاگ آزادی اور اس کے جنسی عمل پر قانونی پابندیوں کے ختم ہونے کی آزادی ہے۔

قدرت نے عورت کو سب سے اہم اور نازک مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ عورت کی ذمہ داری مرد سے زیادہ اہم اور نازک ہے۔ وہ ذمہ داری یہ ہے کہ بچے (جسے آگے چل کر ریاست کا نظام چلانا ہے) کی بہتر طور پر تربیت کرے اور گھر کے نظام کو سنبھالے۔ بچے کی ابتدائی چار پانچ سال کی عمر اس طرح کی ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت ماں کی توجہ کا مستحق ہوتا ہے۔ اگر اس وقت اسے ماں کی پوری توجہ حاصل نہیں رہتی تو وہ ساری زندگی مختلف روگوں کا شکار رہتا ہے۔

قدرت نے مرد اور عورت کے کام کا دائرہ جداگانہ مقرر کیا ہے۔ اس مناسبت سے ہی مرد اور عورت کے اندر جسمانی اور عضویاتی صلاحیتیں جداگانہ رکھی ہیں۔ مرد کی جسمانی بناوٹ میں بچے کی تخلیق کی صلاحیت سرے سے موجود ہی نہیں۔ تخلیق کی صلاحیت عورت میں رکھی گئی ہے۔ اسی طرح عورت معاش کے حصول کے لئے سخت محنت اور مزدوری کی صلاحیتوں سے بڑی حد تک قاصر ہے اور دنیا کے عملی نظام کو چلانے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے



مرد کے اندر رکھی ہے۔ جدید علم نفسیات کے ماہروں نے بھی یہ بات واضح کی ہے کہ عورت کو مرد کے دائرے میں لانے اور مساویانہ حقوق دینے کے لئے سب سے پہلے فطرت سے لڑائی لڑنی پڑے گی۔ اس لئے کہ عورت کی جسمانی بناوٹ میں مردوں والی صلاحیتیں موجود ہی نہیں، جو دنیا کے عملی کام سرانجام دینے کے لئے مرد کی جسمانی بناوٹ میں رکھی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں جو تحقیقات ہوئی ہیں اور اس کے جو نتائج سامنے آئے ہیں، وہ تحقیقات اور اس کے نتائج پیش کرنا، ہم یہاں اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ بدقسمتی سے مغربی ممالک کی دیکھا دیکھی ہمارے ہاں بھی عورت کو مرد کے مساویانہ سطح پر لانے اور عورت اور مرد کی برابری نیز عورت کی آزادی کی تحریک شدت کے ساتھ موجود ہے۔ مغربی تہذیب کے دلدادہ افراد ہمارے ہاں بھی مغربی طرز کا معاشرہ قائم کرکے، ہمیں اخلاقی اور تہذیبی طور پر حیوانی سطح پر لانا چاہتے ہیں۔

فرانسیسی مصنف ''الگزس کیرل'' جس کو نوبل پرائز ملا تھا، وہ اپنی کتاب Man, the unknown میں لکھتا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں، وہ بنیادی نوعیت کے ہیں۔ یہ اختلافات ان کے جسم کی رگوں اور ریشوں کی ساخت کے مختلف ہونے سے پیدا ہوئے ہیں۔ عورتوں کے بیضہ دان سے جو کیمیائی مادے خارج ہوتے ہیں، ان کا اثر صنف نازک کے ہر حصہ پر پڑتا ہے۔ مردوں اور عورتوں کے طبعی اور نفسیاتی اختلافات کا سبب بھی یہی ہے۔ ان بنیادی حقائق کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے نسوانی آزادی کے علمبرداروں نے یہ دعویٰ کیا کہ مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریاں اور حقوق بالکل یکساں اور مساوی ہونے چاہئیں۔ حالانکہ حقیقت میں مردوں اور عورتوں کے درمیان بے حد اختلاف پائے جاتے ہیں۔ عورت کے جسم کے ہر خلیہ پر اس کی نسوانیت کے نقوش موجود ہوتے ہیں۔ یہی بات اس کے اعضاء کے متعلق بھی صحیح ہے۔ بالخصوص اس کے نظام عصبی کے متعلق، عورتوں کو اپنی فطرت کے مطابق اپنے رجحانات کی تشکیل کرنی چاہیے۔ بغیر اس کے کہ وہ مردوں کی تقلید کریں۔ تہذیب کے ارتقاء میں مردوں کے مقابلے میں عورتوں کا زیادہ حصہ ہے۔ اس لئے انہیں اپنے خصوصی فرائض سے پہلو تہہ نہیں کرنی چاہیے۔

ہیولاک ایلس جو موجودہ دور میں جنسی نفسیات کا سب سے بڑا ماہر تصور کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی کتاب ''مرد اور عورت'' میں عورتوں کی خصوصی فطرت اور جداگانہ صفات کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ''عورتوں کی طبیعت میں مردوں کے مقابلے میں متاثر ہونے کی بہت زیادہ صلاحیت موجود ہے۔ چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی عورتیں دوسروں کے بیانات اور خیالات کو مردوں کے مقابلے میں جلد قبول کر لیتی ہیں۔ عورت ہر اس خیال اور رائے کے لئے جان تک قربان کر دیتی ہے، جسے موثر انداز میں اس کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے کہ وہ اس کی جذباتی فطرت کو متحرک کر دے۔ نیز عورت دوسروں کی ہمدردی کے لئے تڑپتی ہے۔ اور اس میں خود مختاری کا جذبہ ویسا پر زور نہیں ہوتا، جیسا کہ مردوں میں ہوتا ہے۔''

ایلس مزید لکھتا ہے ''عورتوں میں عقل کی کمی ہے، اس میں مرد بڑھے ہوئے ہیں۔ مثلاً مردوں میں اپنے حاصل کردہ علم سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے۔ وہ جو سیکھتے یا حاصل کرتے ہیں، اس میں غور و فکر اور تحقیق و تفتیش کے ذریعے اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ نیز وہ اپنے شعبہ علم و فن کی تفصیلات و جزویات پر زیادہ حاوی ہوتے ہیں۔ انہیں اس کے مشاغل اور تجربات سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ ان کی قوت مشاہدہ بھی عورتوں سے زیادہ تیز ہوتا ہے۔ اس کے برعکس عورتوں کو تحلیل و تجزیہ کا عمل طبعاً ناپسند ہوتا ہے۔ کیونکہ انہیں جبلتاً یہ محسوس ہو جاتا ہے کہ تحلیل و تجربہ کے عمل سے ان کی جذباتی ساخت متاثر ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو بے لچک قواعد اور اٹل اصولوں سے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ کیوں کہ ان کی زندگی جذبات و ہیجانات سے مرکب ہوتی ہے۔ دراصل عورتوں کی یہ صفات ان کی عقل کی کمی کا ثبوت نہیں۔ بلکہ یہ جنسی اختلافات کا نتیجہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائنس اور تلاش و تحقیق اور علمی موضوعات کے لئے عورت کا دماغ ناموزوں ہے۔ خواہ مستثنیٰ صورتوں میں عورتوں نے اس دائرے میں کتنا ہی اچھا کام کر دکھایا ہو۔''

اسی طرح ڈاکٹر لیمبرس اپنی کتاب ''روح نسوانیت'' میں لکھتی ہیں۔ عورتیں اور مرد صرف طول و قامت، ہڈیوں کی ساخت اور عضلاتی بناوٹ کے اعتبار سے ہی مختلف نہیں، بلکہ



اس اعتبار سے بھی مختلف ہیں کہ وہ ہوا اور غذا کی ایک ہی مقدار جذب نہیں کرتے۔ ان کے امراض کی نوعیت جداگانہ ہوتی ہیں۔ ان کے ذہنی اور اخلاقی رجحانات میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ ترقی اور ارتقاء صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ مردوں اور عورتوں کے معاشرتی حقوق و فرائض کا تعین کرنے میں ان کے فرق اور اختلافات کو پیش نظر رکھا جائے۔''

انیسویں صدی کے انسائیکلوپیڈیا کا مصنف لفظ ''عورت'' پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

مرد و عورت میں اعضائے تناسل کی ترکیب و صورت کا اختلاف اگرچہ ایک بڑا اختلاف نظر آتا ہے، لیکن صرف یہی اختلاف نہیں ہے۔ عورت کے اور تمام اعضاء سر سے پیر تک مرد کے اعضاء سے مختلف ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اعضاء بھی جو بظاہر آخر الذکر سے بے حد مشابہ نظر آتے ہیں۔''

''علمی تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کا قد کا اوسط طول مرد کے قد کی اوسط درازی سے بارہ سینٹی میٹر کم ہے۔ یہ فرق کسی خاص ملک یا قوم سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ جس طرح وحشی اقوام میں پایا جاتا ہے، اسی طرح متمدن ممالک میں پایا جاتا ہے اور جوانوں کی طرح بچے بھی اس اختلاف کی شہادت دیتے ہیں۔''

جس طرح عمر کے اوسط میں فرق پایا جاتا ہے۔ اسی طرح جسم کے وزن اور ثقل میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ مرد کے جسم کا متوسط ثقل سینتالیس کلو ہے۔ مگر عورت کے جسم کا متوسط ثقل بیالیس کلو اور نصف سے کسی حالت میں زیادہ نہیں ہوتا۔ یعنی عورت کے جسم کا ثقل مرد کے ثقل سے پانچ کلو کم ہوتا ہے۔ عضلات کے حجم و قوت کے لحاظ سے بھی عورت مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

''مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو عورت کے جسم کے عضلات مرد کے عضلات سے اس درجہ مختلف ہیں اور حجم و قوت کے لحاظ سے اول الذکر کے عضلات اس قدر ضعیف ہیں کہ اگر ان کی طبعی قوت کے تین حصے کئے جائیں تو دو حصے قوت مرد کے حصے میں آئے گی اور صرف ایک حصہ قوت عورت میں ثابت ہو گی۔ عضلات کی حرکت کی سرعت اور ضبط کا

بھی یہی حال ہے۔ مرد کے عضلات جسمی، عورت کی نسبت حرکت میں زیادہ تیز اور اپنے فعل میں زیادہ قوی ہیں۔''

قلب جو انسانی زندگی کا اصلی مرکز ہے۔ اسی طرح اس میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ علمی تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ عورت کا قلب مرد کے قلب سے ساٹھ گرام چھوٹا اور خفیف ہوتا ہے۔

سرعت تنفس کے لحاظ سے بھی عورت اور مرد میں عظیم الشان اختلاف ہے۔ علمی تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ سانس کے ذریعے سے کاربونک ایسڈ کے جو ذرات باہر آتے ہیں، وہ اندرونی حرارت کی گرمی سے بخارات بن کر سانس میں ملے ہوئے نکلتے ہیں۔ اس تجربہ کی بناء پر تحقیق کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مرد ایک گھنٹہ میں تقریباً گیارہ گرام کاربن کی مقدار جلاتا ہے۔ مگر عورت چھ گرام سے کچھ زیادہ جلاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی حرارت عزیزی بھی مرد کے مقابلہ میں بہت کم یا نصف سے کچھ ہی زیادہ ہے۔ عورت کا دماغی ضعف، یہ تمام تحقیقات اور اقوال عورت کے جسمانی ضعف کو کن قطعی دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں۔

مشہور نہلسٹ فلاسفر علامہ پروڈن اپنی کتاب ابتکار انتظام میں لکھتا ہے کہ ''عورت کا وجدان بمقابلہ مرد کے وجدان کے اسی قدر ضعیف ہے، جس قدر اس کی عقلی قوت مرد کی عقلی قوت کے مقابلہ میں ضعیف نظر آتی ہے۔ اس کی اخلاقی قوت بھی مرد کے اخلاق سے بالکل مختلف ہے اور دوسری قسم کی طبیعت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس چیز کے حسن و قبیح کے متعلق وہ رائے قائم کرتی ہے، وہ مردوں کی رائے کے مطابق نہیں ہوتی۔ پس عورت اور مرد میں عدم مساوات کوئی عارضی امر نہیں ہے، بلکہ عورت کی طبعی خاصیت پر مبنی ہے۔''

حواس خمسہ جس پر انسان کی عقلی اور دماغی نشوونما کا مدار ہے۔ اس میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ نیکولس اور علامہ ہیلی نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے حواس خمسہ مرد کے حواس سے ضعیف تر ہیں۔



(ا) عورت کی قوت شامہ کی طاقت سے یہ امر باہر ہے کہ وہ ایک خاص فاصلہ سے عطر لیموں کی خوشبو محسوس کر سکے، بر خلاف مرد کے کہ اس کی قوت شامہ اس قدر قوی ہے کہ وہ اس درجہ کی خوشبو کو آسانی سے محسوس کر لیتا ہے۔ جس سے دو چند مقدار کی خوشبو سے عورت کو احساس ہو سکتا ہے۔

(ب) اسی طرح تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ عورت ہلکے براسک ایسڈ کی بو ۱/۲۰۰۰ کی نسبت سے اور مرد ۱/۱۰۰۰ سے محسوس کر سکتا ہے۔ جو ضعیف کی بین دلیل ہے۔

(ج) ذوق اور سمع کا حاسہ بھی عورت سے مرد کا بہت زیادہ قوی ہے۔ اس کے لئے کسی تشریح دلیل کی ضرورت نہیں۔ انسائیکلوپیڈیا نے تصریح کر دی ہے کہ۔

''اسی ضعف کا نتیجہ ہے کہ بعام کی عمدگی اور بدمزگی پہچاننے والے، آواز کے پرکھنے والے اور پیانو کی راگوں کے آواز کل کے کل مرد کے ہیں۔ ایک عورت نے بھی خود کو ان باتوں میں باکمال ثابت نہیں کیا۔''

(د) قوت لامسہ کے متعلق علامہ لومبروزا اور سیر جی وغیرہ استادوں کی متفقہ تحقیق ہے کہ ''عورت میں یہ قوت مرد کی نسبت بہت ضعیف پائی جاتی ہے۔ ان کی محققانہ دلیل یہ ہے کہ جن آلام اور تکالیف کی متحمل عورت ہوتی ہے، مرد اس قدر نہیں ہو سکتا۔ یہ ظاہر فرق بتلا رہا ہے کہ مرد کی نسبت عورت کی قوت احساس ضعیف تر ہے۔''

قوت ادراک کا اصلی مرکز انسان میں بھیجا ہے۔ اسی کی کمی اور زیادتی اور ضعف و قوت پر ادراک کی تیزی اور سستی کا دارومدار ہے۔ لیکن جب علم سائیکلوجی کے تجارب پیش نظر رکھ کر، ہم غور کرتے ہیں تو اس میں بھی عورت ضعیف تر ثابت ہوتی ہے۔ علم مذکور نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے ''بھیجے'' اور مرد کے ''بھیجے'' میں مادۃ اور شکل سخت اختلاف ہے۔ مرد کے بھیجے کا اوسط عورت کے بھیجے سے سو گرام زیادہ ہے۔ اگر کوئی اس کے جواب میں کہے کہ یہ زیادتی مرد اور عورت کے جسمانی اختلاف پر مبنی ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ کیوں کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مرد کے بھیجے کی مقدار اس کی جسمانی حالت سے، وہ نسبت رکھتی ہے، جو چالیس کے عدد کو ایک سے ہوتی ہے، مگر عورت کا ''بھیجا'' اس کی جسمانی قوت سے چوالیس اور ایک

کی نسبت رکھتا ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر عورت کے ''بھیجے'' کی کمی جسمانی ضعف پر مبنی ہے تو مقابلہ یہ اختلاف کیوں پایا جاتا ہے۔؟

علاوہ اس کے عورت کے سر کے ''بھیجے'' میں خم و پیچ نہایت کم ہیں اور اس کے پردوں کا نظام بھی نامکمل ہے۔ علمائے سائیکلوجی نے اس اختلاف کو ان دونوں جنسوں کے ممیزات میں ایک اہم قرار دیا ہے۔

اسی طرح مرد اور عورت کے بھیجوں کے جوہر سنجابی میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے، جوہر سنجابی قوت ادراک کا نقطہ اور مرکز ہے، اس لئے یہ اختلاف کوئی معمولی اختلاف نہیں ہے۔ (عورت اور مرد کے درمیان حیاتیاتی اور طبعی فرق کی مزید تفصیلات مصر کے مصنف فرید وجدی کی کتاب ''عورت اور اسلام'' میں ملاحظہ ہو جس کا اردو ترجمہ مولانا ابو الکلام آزاد نے کیا ہے)۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے دنیا کے نظام کو چلانے کے لئے عورت اور مرد کے لئے جداگانہ دائرے اور ایک دوسرے سے الگ فرائض اور ذمہ داریاں عائد کی ہیں ۔اس مقصد کے لئے عورت کو جن صلاحیتوں کی ضرورت تھی، وہ اس کے اندر ودیعت کر دی ہیں اور مرد کو جو صلاحیتیں درکار تھیں، وہ ان کی جسمانی ساخت میں رکھ دی ہیں۔ چونکہ مرد اور عورت زندگی کے دو پہئیے ہیں۔ دونوں کے تعاون کے بغیر زندگی کی گاڑی نہیں چل سکتی تھی، اس لئے قدرت نے ان دونوں کے اندر ایک دوسرے کے لئے کشش بھی رکھ دی۔ تمدن کے ارتقاء کا خود یہ تقاضا ہے کہ عورت اور مرد کی کشش کا یہ تعلق ایک کے اندر رہے۔ اس دائرے سے تجاوز نہ ہو۔ اس دائرے سے تجاوز کے نتیجے میں جو نقصان ہو سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے۔ اور تمدن کی ساری ترقی رک جائے۔ ماضی میں بیشتر متمدن قومیں اسی وجہ سے زوال کا شکار ہوئیں۔

اسلام نے انسانی فطرت کے اسی بنیادی اصول کو پیش نظر رکھ کر عورت اور مرد کے لئے الگ الگ دائرہ کار مقرر کیا ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''عورت جب گھر



سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جہاں غیر محرم عورت اور مرد تنہا ہوتے ہیں، وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

انسانی فطرت اور اسلام کی تعلیمات کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے آج مغربی معاشرے ہمارے لئے عبرت کا باعث بن چکے ہیں۔ ساری ترقی کے باوجود عورت اور مرد کا سکون غارت ہو چکا ہے۔ ان کی زندگیوں کی تلخیوں کے واقعات پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ یہ زندگی ایسی ہے جو موت سے بھی بدتر ہے۔ چنانچہ خوشحال مغربی ملکوں میں خودکشی کا رجحان سب سے زیادہ ہے۔

انسان دنیا میں محدود توانائی لے کر آیا ہے، اس توانائی سے اسے سارے کام سرانجام دینے ہوئے ہیں، لیکن جنسی عمل کے مسلسل تکرار سے توانائی کا بہت بڑا حصہ جنسی عمل میں ہی صرف ہونے لگتا ہے جس سے دوسرے کاموں کو سرانجام دینے کے لئے توانائی کا انتہائی معمولی حصہ باقی رہتا ہے، اس طرح جنسی عمل میں محویت کی حامل قوم جلد ہی زوال کا شکار ہونے لگتی ہے، اس بات کو ایک مغربی مصنف نے بہت اچھی طرح سے واضح کیا ہے۔

یہاں اس کا تفصیلی حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔

کیمبرج یونیورسٹی کے ڈاکٹر (Jdeemium) نے دنیا کے مختلف علاقوں میں آباد ۸۰ پرانے قبیلوں کے لوگوں کی زندگی کا مطالعہ کیا، اس مطالعے کے بعد موصوف نے ۱۶، مہذب قوموں کے سماج کا بھی مطالعہ کیا، اس تحقیق کو انہوں نے اپنی کتاب (Sex culture) میں نہایت سلیقے سے پیش کیا ہے، وہ کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ ''میں تحقیقات کے بعد جس نتیجے پر پہنچا ہوں، مختصر اوہ یہ ہے کہ ہر انسانی گروہ کا دارومدار دو چیزوں پر ہوتا ہے، ایک ان کا اجتماعی نظام، دوسری وہ حاصل شدہ توانائی جو ان کو ان قوائد اور پابندیوں کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے، جو پابندیاں انہوں نے اپنی جنسی خواہشات پر عائد کی ہوتی ہیں (صفحہ ۱۷) وہ مزید لکھتا ہے، اگر آپ کسی قوم کی تاریخ میں یہ دیکھیں کہ کسی وقت اس کی تمدنی سطح بلند ہو گئی ہے، یا تمدنی سطح پست ہو گئی ہے، تو تحقیق سے معلوم ہو گا، کہ اس نے اپنے

جنسی تعلقات کے ضوابط میں تبدیلیاں پیدا کی ہیں، جس کا نتیجہ اس کے تمدنی سطح کی بلندی یا پستی کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ (صفحہ ۲، ۳)

۸۰ قبیلوں کے تمدنی سطح کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ جس نتیجے پر پہنچا ہے، وہ یہ ہے۔

(الف) جن قبیلوں نے شادی سے پہلے جنسی خواہشات کی بے لاگ آزادی دی ہوئی تھی، وہ تمدن کے پست سطح پر پہنچ چکے تھے۔

(ب) جن قبیلوں نے نکاح سے پہلے جنسی تعلقات کے سلسلہ میں کچھ نہ کچھ پابندی عائد کی تھیں، وہ تمدن کے درمیانہ درجہ پر فائز تھے۔

(ت) تمدن کی بلند سطح پر وہ قبیلے فائز تھے، جو شادی کے وقت جنسی آلودگیوں سے محفوظ رہے، جن کے ہاں نکاح سے پہلے یہ عمل گناہ شمار ہوتا رہا ہے۔ (صفحہ ۲۱۱)

موصوف مزید لکھتا ہے ''نفسیاتی تحقیق کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے کہ جنسی تعلقات پر پابندی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم کے فکر و عمل کی قوت وصلاحیت بڑھ جاتی ہے مگر جو قوم اپنے مردوں اور عورتوں کو جنسی خواہشوں کی تسکین کے لئے آزاد چھوڑ دیتی ہے، اس میں فکر اور عمل کی توانائی ضائع ہو جاتی ہے، چنانچہ رومیوں کے ساتھ یہی ہوا، رومی حیوانوں کی طرح قوائد و قوانین اور رکاوٹوں کے بغیر (جنسی خواہشات کی) تسکین کرتے تھے، چنانچہ ان کے ہاں دوسرے کسی کام کے لئے طاقت ہی باقی نہ رہی، ان کا جسم بالکل کمزور ہو گیا۔ (صفحہ ۳۷۸)

موصوف اپنی کتاب کے آخر میں لکھتا ہے ''اگر کوئی معاشرہ چاہتا ہے کہ اس کی طاقت زیادہ دیر تک بلکہ ہمیشہ قائم رہے، اور بڑھتی رہے، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر نئی زندگی پیدا کرے، یعنی اپنے مردوں اور عورتوں کو قانونی مساوات دے، اس کے بعد معاشرتی اور معاشی نظام میں ایسی تبدیلیاں برپا کرے، جس سے سماج میں جنسی اختلاط کے مواقع زیادہ دیر تک بلکہ ہمیشہ کے لئے بالکل محدود ہو جائیں، اس سے سماج کا رخ ثقافتی اور تمدنی ارتقاء کی طرف گامزن ہو جائے گا نیز وہ شاندار مستقبل کی طرف رواں دواں ہو گا اور



تمدن اور تہذیب کے ایسے بلند مقام پر پہنچ جائے گا، جس پر آج تک کوئی نہیں پہنچ سکا ہے۔ (صفحہ ۴۳۲)

عورت کی آزادی اور عملی میدان میں مرد کے ساتھ کام کرنے کی تحریک یہ دراصل مغربی ملکوں اور قوموں کی تحریک ہے۔ جب مغربی معاشروں میں جاگیرداری نظام کی جگہ سرمایہ داری نظام نے لینا شروع کی تو سرمایہ داروں کو سستی مزدوری کے لیے عورت کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اس کے بعد پہلی عالمگیر جنگ میں لاکھوں افراد کے ہلاک ہونے سے عورتوں کے لیے عملا روزگار کا مسئلہ بھی پیدا ہوا۔ نیز مغربی دانشوروں اور فلاسفروں کے انسان اور کائنات کے خالص مادی فکر اور انسانی تخلیق کی جانورانہ توجیہ نے پہلے مغربی معاشروں میں مذہب اور اخلاقی اقدار سے بغاوت کے رجحانات پیدا کر دیئے تھے۔ ان اسباب نے مل ملا کر وہاں عورت کو مکمل آزادی کے راستے پر ڈال دیا۔ لیکن ہمارا معاملہ تو مغرب سے سراسر مختلف ہے، لیکن بدقسمتی سے انگریز نے دورانِ حکمرانی یہاں جو نظام قائم کیا تھا۔ اس نظام نے ہمارے ذہین اور موثر طبقات کو مغربی تہذیب کا دلدادہ بنا دیا ہے۔ پھر پاکستان میں مخلوط نظام تعلیم، سرمایہ داروں کی کوششوں اور ابلاغ کے جدید ذرائع سے عریانی وفحاشی کی اشاعت نے ہمارے ہاں بھی بڑے پیمانے پر مادر پدر آزادی اور عورت کے حسن سے متمتع ہونے کے رجحانات پیدا کر دیئے ہیں۔ مذکورہ اسباب کی وجہ سے چونکہ ہمارا سارا تہذیبی ڈھانچہ زوال سے دوچار ہے، اس لیے اس تہذیبی ورثے کے ساتھ ہماری روایات، اقدار، افکار وغیرہ سب کے سب جدیدیت کے طوفان کی نظر ہیں۔ صبر، شکر، قناعت، توکل، تھوڑے پر راضی رہنے اور سادگی سے زندگی بسر کرنے اور حیات کے مشکل مسائل کو صبر کے ساتھ برداشت کرنے، خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کی مدد کرنے کی باتیں، اب تصورات بن کر رہ گئی ہیں، عورت کی آزادی کا مسئلہ دراصل ہماری تہذیب کی بنیادیں متزلزل ہونے کے نتیجے میں ہی پیدا ہوا ہے، اگر اپنی تہذیب کی بقا وتحفظ کے لیے فکر دامن گیر نہ ہوا اور اس کے لیے اجتماعی کوششیں نہ ہوئیں تو خطرہ ہے کہ ہم زوال کے ایسے عمیق غار میں گر جائیں گے، جہاں سے نکلنا دشوار ہو گا۔

# مغربی تہذیب کو مادی تہذیب بنانے میں فلاسفروں کا کردار

مغرب مادی تہذیب کے غلبے سے پہلے عیسائی مذہب کے تابع تھا، اور عیسائیت ہی اہل مغرب کا مذہب تھا، عیسائی مذہب سے خالص مادی تہذیب کی صورت اختیار کرنا، یہ اہل مغرب کا سب سے بڑا المیہ ہے، زیر نظر مضمون میں مختصراً اس کا ذکر کیا جاتا ہے، ہمارے ہاں بھی دین و مذہب سے دوری اور مادی تہذیب سے قربت جس رفتار سے بڑھتی جارہی ہے، اس سے بڑا خطرہ ہے کہ نئی نسل کی آبادی کا بڑا حصہ کہیں مادی تہذیب کا حصہ نہ بن جائے۔ **(مرتب)**

مغربی تہذیب کو مادہ پرست تہذیب بنانے میں ان افکار و نظریات نے بڑا کردار ادا کیا ہے جو مغربی فلاسفروں اور ماہرین کی طرف سے پیش کے گئے، جن افکار کو عوام میں غیر معمولی طور پر پذیرائی حاصل ہوئی۔

یہ افکار و نظریات دراصل رد عمل تھے، عیسائی قیادت کے ان مظالم کا، جو انہوں نے اپنے دور حکومت میں سائنسی تحقیق کو کفر قرار دے کر سائنسدانوں کو سزائیں دیں اور موت کے گھاٹ اتار دیا، ایک آدھ سائنسدان نہیں، بلکہ سینکڑوں سائنسدانوں کا انہوں نے یہ حشر کیا، اس کے رد عمل میں فلاسفروں اور اہل دانش کی طرف سے مذہب کو مکمل طور پر مسترد کرکے، مادہ پرستی پر مشتمل نظریات پیش کئے، جس سے مغربی تہذیب بے خدا اور نفس پرست تہذیب کی حیثیت سے سامنے آئی۔

عیسائی قیادت کا یہ کردار بڑا گھناؤنا تھا کہ سائنسی تحقیق جو اشیائے کائنات میں موجود حقیقت پر مبنی تھی، اسے عیسائی مذہب کی تعلیمات کے خلاف بغاوت قرار دے کر اہل سائنس کے خلاف انہوں نے مار ماری شروع کردی۔



چونکہ مغرب میں صنعت کاری کا عمل شروع ہوچکا تھا، جس سے صنعت کار اور متوسط طبقہ طاقتور حیثیت سے سامنے آیا تھا، اس لئے صنعتکار اور متوسط طبقہ نے اہل سائنس کی سرپرستی کی اور عیسائی قیادت کو فنا کے گھاٹ اتار دیا اور ریاست کی تشکیل بے خدا تہذیب کی بنیادوں پر ہونے لگی۔

جن فلاسفروں نے مذہب کو رد کرکے مادہ پرستی کی بنیاد پر نظریات پیش کئے، ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، ان ماہروں کے نمائندوں میں فرائیڈ، میگڈوگل اور ایڈلر شامل ہیں، ان تینوں فلاسفروں کے افکار میں سارے ماہرین کے افکار کا نچوڑ شامل ہے۔

فرائیڈ نے کہا کہ میں نے انسانی نفسیات کا وسیع مطالعہ کیا ہے، اس وسیع مطالعے سے مجھ پر یہ بات واضح ہوئی ہے کہ انسان سراپا جنسیت سے عبارت ہے، اس میں سب سے زیادہ طاقتور پیدائشی داعیہ (تقاضا) جنسی جذبات کی تکمیل ہے، اس کی سرگرمیوں کا سارا محور یہی ہے، یہ داعیہ ایسا ہے جو انسان کا پیدائشی طور پر نصب العینی تقاضا ہے، اس لئے جنسی خواہش کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہئے، جو مرد و عورت جس سے بھی اپنی جنسی خواہش پوری کرنا چاہتا ہے، اسے ایسا کرنے دیا جائے، ورنہ ذہنی بیماریوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگا۔

مغربی تہذیب میں جنسی ہیجان خیزی کا جو طاقتور رجحان فروغ پذیر ہوا ہے وہ فرائیڈ کی اس تحقیق ہی کا نتیجہ ہے، آج فرائیڈ کی شخصیت ہر مغربی فرد کے دل میں سمائی ہوئی ہے، وہ اگر نام سے فرائیڈ کو نہ بھی جانتا ہو، لیکن اس کا جنسی اشتعال والا نظریہ اس کے دل و دماغ میں سمایا ہوا ہے۔

انسان کو سراپا جنس زدگی سے عبارت قرار دینا، یہ انسان جیسی اشرف مخلوقات کو پستی میں مبتلا کرنا ہے، اس حقیقت سے تو انکار نہیں ہے کہ انسان میں جنسی جذبہ طاقتور صورت میں موجود ہے، لیکن یہ تقاضا نصب العینی حیثیت رکھتا ہے یعنی انسان کے دوسرے سارے

جذبات اور تقاضوں پر حاوی ہے، یہ حقیقت کے سراسر منافی ہے، انسان میں پیدائشی طور جو جذبہ طاقتور ترین ہے وہ اللہ سے والہانہ محبت کا جذبہ ہے، اس جذبہ کی تسکین سے دوسرے سارے جذبات میں ٹھہراؤ آنے لگتا ہے، یقیناً جنسی جذبے کو اہمیت حاصل ہے، لیکن کوئی بھی مذہب بے لاگ جنسی جذبے کے اظہار کی اجازت نہیں دیتا، اس لئے کہ اس سے خاندانی نظام تباہ ہوتا ہے۔

دوسرے مغربی فلاسفر میکڈوگل ہیں، جس نے کہا کہ میری ساری زندگی کی تلاش وجستجو کا حاصل یہ ہے کہ انسان بنیادی طور پر حیوان کی ترقی یافتہ صورت ہے، اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں، حیوان کی جو ضروریات ہوتی ہے، انسان کی وہ ضروریات زیادہ ترقی یافتہ صورت میں ہوتی ہیں۔

میکڈوگل کے اس نظریے سے انسان کی حیوانی صورت کو تقویت ملی، اور اہل مغرب حیوانی جذبات کی تکمیل ہی کو انسان کا مقصود سمجھنے لگے۔

ایڈلر کا کہنا ہے کہ میری ساری زندگی کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ انسان میں جو سب سے طاقتور نصب العینی جذبہ موجود ہے وہ ایک دوسرے پر بالادستی حاصل کرنے کا جذبہ ہے، ہر انسان اس جذبے سے مغلوب ہے، اس لئے یہ پیدائشی طور پر طاقتور جذبہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ وحی اور روح کے انکار کے بعد اسی طرح کے غیر فطری، حقیقت سے بعید اور حیوانی نوعیت کے نظریات ہی سامنے آسکتے ہیں، اور وہ مقبول ہو کر عملی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔



# مغربی تہذیب کی نقالی
## اور اس کے منفی اثرات

مغربی تہذیب جہاں بھی جاتی ہے، وہاں وہ اپنے ساتھ طاقتور منفی اثرات لاتی ہے، ان اثرات کو کچھ اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔

(۱) نفس پرستی کی قوتوں میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔

(۲) دنیاداری کے میلانات بڑھ جاتے ہیں۔

(۳) مادی نوعیت کی سوچ غالب ہونے لگتی ہے۔

(۴) اپنی تہذیب پر اعتماد ختم ہو کر اس مادی تہذیب سے وابستگی ہونے لگتی ہے۔

(۵) مذہب کو فرد کا انفرادی مسئلہ سمجھکر اسے اجتماعی زندگی سے نکالنے کی روش پیدا ہونے لگتی ہے۔

(۶) عورت و مرد کے درمیان فاصلہ ختم کر کے عورت کو مرد کے ساتھ کام کرنے کی لائین پر لگایا جاتا ہے۔

(۷) موسیقی کا رواج عام ہونے لگتا ہے۔

(۸) طرز معیشت و معاشرت میں مغرب سے مشابہت کی کوشش شروع ہو جاتی ہے۔

(۹) مذہب میں نیاپن پیدا کرنے کے لئے جدیدیت کا رنگ اختیار کیا جاتا ہے۔

(۱۰) مغرب کی تقلید پر فخر محسوس کیا جاتا ہے۔

(۱۱) خاندانی نظام بُری طرح متاثر ہونے لگتا ہے اور طلاقوں کے رجحان میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔

(۱۲) نظام تعلیم کی تشکیل مغرب کی بنیادوں پر ہونے لگتی ہے، جس سے ذہنیت یکسر تبدیل ہونے لگتی ہے۔

(۱۳) اپنی صدیوں کی روایات اور ادب وآداب کا سسٹم ختم ہونے لگتا ہے۔

(۱۴) ہر معاملے میں مغرب کی طرف دیکھا جاتا ہے کہ ان کا نقطہ نظر کیا ہے۔

(۱۵) اپنے سارے نظام کو مغرب کے دیئے ہوئے سودی نظام سے چلایا جاتا ہے، اس طرح سودی نظام کے ذریعے مغرب کی غلامی کی زنجیر بُری طرح کسی جاتی ہے۔

(۱۶) ذہنی اور نفسیاتی مریضوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔

(۱۷) مغرب سے مرعوبیت اور مادی طرز زندگی کے شوق کی وجہ سے مغرب میں منتقل ہو کر وہاں آباد ہونے کی دوڑ لگی ہوئی ہوتی ہے۔

اس طرح مغرب کی نقالی، تقلید اور مشابہت کی وجہ سے اپنے دین ودنیا کے خسارہ کا سودہ کیا جاتا ہے۔

مغربی تہذیب کی طرف بڑھتے ہوئے ان میلانات کا بنیادی سبب یہ ہے کہ یہ تہذیب نفس پرستی پر مبنی ہے اور نفس کے جذبات اور خواہشات کو بُری طرح متاثر کرتی ہے، خواہشات ایسی طاقتور ہیں کہ ہر دور میں انسانوں کی اکثریت خواہشات ہی کی پیروکار رہی ہے، مغربی تہذیب نے جدید آلات اور ٹیکنالوجکل ترقی کی وجہ سے ان خواہشات میں غیر معمولی شدت پیدا کی ہے، اس لئے کمال مغربی تہذیب کا نہیں ہے، بلکہ یہ ''کارنامہ'' نفس کی خواہشات کا ہے، جو افراد کے لئے اس تہذیب کی طرف غیر معمولی کشش کا ذریعہ ہیں۔



# اسلامی تہذیب میں اللہ کے لئے ایک دوسرے سے ملاقات کی اہمیت

مغربی تہذیب میں عام طور پر نفسا نفسی کی حالت غالب ہے، لوگوں پر احساس تنہائی اور ایک دوسرے سے دوری کی فضا غالب ہے، کوئی کسی کے دکھ، درد اور غم میں شریک ہونے کے لئے تیار نہیں، عزیز واقربا حتیٰ کہ ماں باپ سے اولاد پرسان حالی کے لئے آمادہ نہیں، مغربی تہذیب کا یہ سب سے بُرا تحفہ ہے، جو اس نے اپنی تہذیب سے وابستہ لوگوں کو دیا ہے، جب دل، وحی اور اللہ کے انوار سے خالی ہوگا تو شخصیت پر نفس کا دیو ہی غالب ہوگا، جو اسے سب سے کاٹ کر احساس تنہائی اور حالت ڈپریشن میں مبتلا کرے گا۔

اس اعتبار سے اسلامی تعلیم کو دیکھا جائے تو وہ انسانیت کے لئے ماڈل حیثیت رکھتی ہے، اسلامی تہذیب اللہ کے لئے ایک دوسرے سے ملاقات کو فیصلہ کن اہمیت دیتی ہے، اس لئے کہ اللہ کے لئے ایک دوسرے سے ملاقات سے باہم محبت پیدا ہوتی ہے، اخلاص کی حالت قائم ہوتی ہے اور ایمان میں ترقی ہوتی ہے۔

مغرب کی تقلید میں ہمارے ہاں بھی ملاقات صرف مادی اغراض ومفادات اور کاروباری حوالے سے ہی ہوتی ہے۔

اسلامی تہذیب میں اللہ سے ملاقات کے کام کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ درج ذیل احادیث سے لگایا جاسکتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا جب مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملاقات کے لئے جاتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ چلتے ہیں اور اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یااللہ جس طرح یہ تیری خاطر ملاقات کے لئے جارہا ہے تو بھی اسے اپنا وصال عطا فرما۔

حدیث قدسی میں ہے، میری خاطر محبت کرنے والوں، میری خاطر محفل سجانے والوں، میری خاطر ایک دوسرے سے ملنے والوں کے لئے میری محبت واجب ہوگئی۔

ان دو حدیثوں سے اللہ کے لئے ملاقات کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اس میں وہ افراد بھی شامل ہیں جو ذکر کے حلقوں میں شریک ہوتے ہیں، ایسے افراد کو ملاقات کا اجر ملنے کے ساتھ ساتھ ذکر کے انوار بھی حاصل ہوتے ہیں۔

ہمارے ہاں ایک دور وہ تھا کہ لوگ محض اللہ کے لئے ایک دوسرے سے ملاقات کے لئے جاتے تھے، اور ایک دوسرے سے دین وایمان کی سلامتی کے جذبات لے کر واپس لوٹتے تھے، اس دور میں ہمارے ہاں ذکر کی مجلسیں بھی ہوتی تھیں، جس میں شرکت سے لوگ نئی ایمانی توانائی حاصل کرتے تھے، بزرگوں کی خانقاہیں جہاں لوگ دور دراز سے آکر ٹھہرا کرتے تھے اور ذکر کے ملکہ کو راسخ کرنے کے لئے وہاں ہفتوں بلکہ مہینوں تک قیام کرتے تھے۔

ہمارا یہ دور کتنا تابناک تھا، لیکن مغربی قوموں کے غلبے کی وجہ سے جدیدیت کی جو فکری لہریں آئیں، اس نے ہمارے ان تہذیبی مراکز کی اہمیت ہی کو ذہنوں سے محو کر دیا اور یہ ادراک ہی باقی نہ رہا کہ ہم نے متقی اور صالح لوگوں سے تعلق توڑ کر اپنا کتنا بڑا نقصان کیا ہے کہ دل اور روح کو صالح غذا ہی ملنا دشوار ہوگئی ہے۔

مادیت کی طوفانی لہروں کا مقابلہ صالح و متقی لوگوں سے تعلقات کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے، ورنہ مادیت کی لہروں سے شخصیت ذہنی، وجدانی اور روحانی طور پر مفلوج ہو جائے گی اور شخصیت پر نفس پرستی کی قوتوں کا راج رہے گا۔



# انسانی نفسیات

## مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب میں

انسانی شخصیت سکون چاہتی ہے، محبت چاہتی ہے، تفکرات سے بچنا چاہتی ہے، دوسروں کی دل آزاری اور حالت اشتعال سے بچنا چاہتی ہے، دوست احباب اور عزیز اقارب کے لئے نافع بننا چاہتی ہے، دوسروں پر برتری حاصل کرنے سے بچنا چاہتی ہے یہ اور اس طرح کی دوسری خوبیاں ایسی ہیں، جو انسانی شخصیت کا خاصہ ہیں اور یہ انسانی فطرت کا حصہ بھی ہیں، لیکن جب نفسیات میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو عام طور پر ان صفات و خصوصیات سے محرومی ہوتی ہے، جس سے خود شخصیت میں ہیجان پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرے میں فساد بھی برپا ہوتا ہے، مذاہب اور تہذیبوں کا کام یہ ہے کہ وہ انسانی نفسیات کو فساد سے بچا کر اسے سلیقہ انسانیت کا حامل بنائے، اس وقت دنیا میں دو تہذیبیں ہیں، جو اس سلسلے میں انسانی شخصیت کی رہنمائی کرتی ہیں، ایک مغربی تہذیب ہے، دوسری اسلامی تہذیب، مغربی تہذیب نے اس سلسلے میں بعض شعبوں میں اچھا کردار ادا کیا ہے کہ وہاں عدل وانصاف کا نظام قائم ہے، ایک حد تک لوگوں کی روزی کی ضمانت ہے، کاروباری اخلاقیات بھی موجود ہے، لیکن مغربی تہذیب خدا، اور وحی کے بارے میں فاسد تصور کی وجہ سے وہ انسانی نفسیات کی گہرائیوں کو سمجھنے اور اس نفسیات کی بہتری کے لئے کوئی کردار ادا کرنے سے قاصر ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ مرد وعورت کی جنسی آزادی نے ایک تو خاندانی نظام کو تباہی سے دوچار کیا ہے، دوسرے یہ کہ ان کی ذہنی اور جسمانی توانائیاں جلد ہی مضمحل ہو جاتی ہیں پھر مغربی تہذیب کا سب سے کمزور پہلو یہ ہے کہ وہ مادی عقل ہی کو سب کچھ سمجھکر انسانی شخصیت کی تشکیل اسی کی بنیاد پر کرنے کی علمبردار ہے، وہ دل اور روح اور ان کی حقیقت اور نوعیت کو سمجھنا نہیں چاہتی، دل اور روح کی حقیقت یہ ہے کہ وہ محبوب حقیقی اور اپنی خالق ہستی کے لئے ہر وقت مچلنا چاہتی ہے، اور اللہ کے انوار حسن کے مشاہدہ کے بغیر رہ نہیں سکتے، یہ انوار حسن عبادت، ذکر و فکر اور اخلاق حسنہ کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں۔

انسانی شخصیت کو اس کے ان فطری تقاضوں سے محروم رکھنے کے بعد انسانی شخصیت کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ انگاروں پر لیٹنے لگتی ہے اور ذہنی اور نفسیاتی نوعیت کی بیماریوں کی وبا پھوٹنے لگتی ہیں، ان بیماریوں کو ذہن کے مصنوعی طریقوں سے مطمئن کرنے کی کوششوں سے رفع نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مغربی تہذیب فطرت سے جنگ جوئی کی راہ پر گامزن ہے، اس طرح کی تہذیب محض دولت اور عسکری قوت اور ٹیکنالوجی کی صلاحیتوں سے زیادہ دنوں تک قائم اور باقی نہیں رہ سکتی۔

مغربی تہذیب نے اپنی قوموں کی اہل قیادت میں یہ جنون پیدا کیا ہے کہ دنیا کی قوموں پر اپنی بالادستی قائم رکھنے کے لئے ان پر جنگیں مسلط کی جائیں اور ان کو ایسی معاشی مار دی جائے کہ وہ دوبارہ اٹھ نہ سکیں، یہ مغربی تہذیب کا وہ تحفہ ہے جو اس نے انسانیت کو دیا ہے۔

اسلامی تہذیب میں عقل، نفس مطمئنہ، دل اور روح شخصیت کے ان سارے جوہروں کو پیش نظر رکھکر ان کی تربیت کے ارتقائی مراحل خدا پرستی کی بنیاد پر کرنے کا انتظام فرمایا گیا ہے، جس کی وجہ سے نفس امارہ، نفس مطمئنہ میں تبدیل ہو کر دل، روح اور ذہن کو یرغمال بنا کر اسے فکری انتشار کا شکار بنانے میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اس طرح اسلامی تہذیب میں انسانی نفسیات کی صحیح فطری بنیادوں پر تشکیل کا کام ہوتا ہے، جس سے انسانی شخصیت کمال طمانیت کے ساتھ ساتھ معاشرے کو بھی ہر طرح کے فساد سے بچا کر صحیح بنیادوں پر گامزن کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے، اسلامی تہذیب کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے نفسیاتی بیماریاں سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتی، اس لئے کہ خدا پرستی کا گہرا عمل ایسا ہے جو شخصیت کو پاکیزہ بنا دیتا ہے اور نفس اور ذہن کو یہ موقعہ ہی نہیں ملتا کہ وہ انسانی نفسیات کو نفسانیت اور مادہ پرستی کی راہ پر لے جائے۔

یہ ہمارا المیہ ہے کہ انسانی نفسیات کو پاکیزہ بنانے کی بہترین تعلیمات کے باوجود ہم مغربی تہذیب کی تقلید میں نفس پرستی اور مادہ پرستی کی راہ پر گامزن ہیں، جس کی وجہ سے نفسیاتی بیماریوں کے ساتھ ساتھ حقیقی اخلاقی، معاشرتی اور روحانی مسائل نے ہمارا احاطہ کر لیا ہے، اپنی پاکیزہ تہذیب سے دوری کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا نکل سکتا ہے۔



# جدیدیت سے تاثیر پذیری کی نفسیات

ہر دور میں جدید نظریات جنم لیتے رہتے ہیں اور مذہب کے ماننے والے بھی ان نظریات سے متاثر ہو کر مذہب کو ان جدید نظریات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش اور فکر کرتے رہتے ہیں، تاکہ جدید نظریات سے ہمہ آہنگی کی صورت پیدا ہو سکے اور مذہب کے پرانہ پنا نادور ہو سکے۔

ہر دور کی جدیدیت میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے، لیکن جدیدیت میں ایک مشترکہ ہوتی ہے کہ مادیت پرستی، نفس پرستی اور عقل پرستی کے گہرے اجزاء واثرات جدیدیت میں شامل ہوتے ہیں، اور اس میں دنیا بجائے خود مقصود ہوتی ہے۔ جدیدیت نظریہ اور فکر کی صورت میں سامنے آتی ہے اور پھر اسی بنیاد پر انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تشکیل ہوتی ہے۔ جدیدیت میں خدا کا مکمل انکار تو نہیں ہوتا، لیکن اسے کوئی زیادہ اہمیت بھی نہیں ہوتی، انفرادی زندگی میں اگر لوگ کسی مذہب کو مانتے ہیں اور اس مذہب کے مطابق عبادت بھی کرتے ہیں تو جدیدیت میں اس کی پوری گنجائش موجود ہوتی ہے، البتہ نظریہ جدیدیت بھلے وہ کسی بھی خدوخال میں اسکا ظہور ہوا سکو اجتماعی ریاستی اور معاشرتی زندگی میں مذہب کو عمل دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوتا۔

اجتماعی زندگی، عقل پرستی کی بنیادوں پر متشکل ہوتی ہے اور ریاستی نظام کے ذریعے خواہشات کی روح میں اس تیزی سے پھونکی جاتی ہے کہ مغرب میں مذہب سے وابستہ لوگ بھی خواہشات کی حکمرانی کے اثرات قبول کئے بغیر نہیں رہتے، مثلاً مذہبی لوگ بھی نہ چاہتے ہوئے بھی عورت و مرد کے اختلاط کے عمل کا حصہ بن جاتے ہیں، ان کی اولاد پر تو مادہ پرستی اور اختلاط مرد وزن کا گہرا رنگ موجود ہوتا ہے۔

افراد معاشرہ پر جدیدیت کے اثرات اس لئے غالب ہوتے ہیں کہ اس میں خواہشات کی مکمل آزادی ہوتی ہے، اور جنسی عمل کی لذت اور عیش و عشرت پر کوئی قدغن نہیں ہوتی، ساری توانائیاں دنیاوی زندگی کو خوبصورت بنانے میں صرف ہوتی ہیں۔

جدیدیت عقلیت کے بھرپور استعمال کے ذریعہ بڑی خوبصورت طور پر سامنے آتی ہے، چونکہ بے لاگ خواہشات میں طاقت ہوتی ہے، اس لئے لوگ جدیدیت پر فدا ہونے لگتے ہیں۔

ہمارے ہاں بھی اب اونچے طبقات کے علاوہ عام افراد بھی دین و مذہب کی پابندیوں سے آزاد ہو کر جدیدیت کے قائم کردہ سیکولرزم نظام کے دلدادہ ہوتے جارہے ہیں، جس کے تحت محدود دائرے میں تو رسمی طور پر عبادت ہوتی رہے گی، لیکن کاروبار، معاملات، طرز معاشرت اور طرز سیاست سیکولرزم کی بنیاد پر ہوگا، اس میں دین و مذہب کو عمل دخل نہ ہوگا، عورت کی آزادی، مرد کے ساتھ مل کر اسے عملی زندگی کا حصہ بنانے اور کاروبار کا سودی نظام کی بنیاد پر ہونا، یہ ساری چیزیں ہمارے ہاں بھی تیزی سے مروج ہوتی جارہی ہیں، شرم و حیا جو مسلم معاشرے کا حصہ رہا ہے، وہ ختم ہوتا جارہا ہے، نئی نسلیں مغرب کی تقلید میں مادیت پر فدا ہورہی ہیں، جدیدیت سے تاثیر پذیری کے یہ اثرات ایسے ہیں جو سارے بند توڑ کر گھروں میں داخل ہورہے ہیں، معاشرے میں کوئی طاقتور جماعت موجود نہیں ہے، جو ان کی روک تھام کا کردار ادا کرسکے۔

اہل سیاست اور اہل اقتدار کی طرف سے سیکولر طرز زندگی کے لئے حالات کو سازگار بنانے کی کوششیں ہورہی ہیں، مخلوط تعلیمی نظام جو عرصے جاری ہے اس کے اثرات اب پوری طرح سامنے آرہے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا حیا اور ایمان ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، ان میں ایک بھی رخصت ہو جائے تو دوسری چیز از خود رخصت ہو جاتی ہے۔



دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا کہ حیا ایمان کا (اہم ترین) حصہ ہے۔

ایک اور حدیث آپ نے فرمایا کہ جس میں حیا نہیں وہ جو چاہے کرے۔

موجودہ دور کو اگر جدیدیت کی نفسیات کا دور کہا جائے تو غلط نہ ہوگا، جدیدیت سے مرعوبیت کا ایک سبب یہ ہے کہ لوگ دین و مذہب کی پرانی شکل سے کچھ آگے بڑھکر جدیدیت سے ہمہ آہنگی چاہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ آخر ہم مذہب کی پرانی شکل پر کب تک زور دیتے رہیں گے، زمانہ کتنا آگے بڑھ گیا ہے، ہم ابھی تک پرانی دینی و مذہبی پابندیوں میں جکڑے ہوئے ہیں، اگر وہ زبان سے نہ بھی کہیں تو ان کا عمل یہ بتارہا ہوتا ہے کہ وہ اس دور میں دین و مذہب کو ترقی یافتہ صورت میں دیکھنا چاہتے ہیں، جو زمانے کے ساتھ چل سکے، زمانہ عورت کو محض گھر کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے تیار نہیں، عورت کو مرد کا حصہ بن کر عملی زندگی میں آنا چاہئے، اسی طرح دنیا سے بے نیازی کی باتیں اس دور میں چلنے والی نہیں ہیں، جس طرح مغربی قومیں مادی ترقی میں دن رات سرگرم ہیں، اسی طرح ہمیں بھی دنیا میں آگے سے آگے ہونا چاہئے۔

جدیدیت کی پیدا کردہ یہ وہ نفسیات ہے جو مغرب کے بعد اب ہمارے ہاں بھی پیدا ہو چکی ہے، ان نفسیات کو مادہ پرستی اور عقلیت پرستی کی فضا نے تقویت دی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دین اس ہستی کا عطا کردہ ہے جو انسان کی ابدی نوعیت کی ضروریات (دنیا و آخرت) کو جانتی ہے، اس میں ایسے ابدی اصول موجود ہیں، جو فطرت سے ہمہ آہنگ ہیں، جن اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے انسان کی معاشی، معاشرتی، سماجی، اخلاقی اور روحانی زندگی ہر طرح کی خرابیوں سے محفوظ ہوتی ہے، اس وقت جدیدیت کی حامل قوموں میں معاشرتی زندگی میں جو خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں، اس نے ان کے خاندانی نظام کو تباہ کردیا ہے اور ان کے سکون کو غارت کردیا ہے، کیا جدیدیت سے مرعوب افراد ہمیں بھی اسی راستے پر لے جانا چاہتے ہیں۔

# مغرب میں آباد مسلمانوں کے حالات

مغرب میں مسلمانوں کی منتقلی کا سلسلہ کافی عرصہ سے جاری ہے، لاکھوں سے زیادہ مسلمان ہیں، جو وہاں مستقل طور پر آباد ہیں، اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

مغربی تہذیب جو اسلام سے متصادم اور نفس پرستی پر مبنی تہذیب ہے، مغرب میں اس تہذیب کی طوفانی لہریں ہیں، جو لوگوں کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتی ہیں، ایسی تہذیب کے مراکز میں جا کر آباد ہونا، یہ اپنے آپ کو اور اپنی نسلوں کے ایمان کو خطرہ میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

مغرب میں منتقل ہو کر مستقل آباد ہونے کی روش اپنے ملکوں کے حالات سے بددلی کا نتیجہ ہو یا روزگار اور معاشی خوشحالی اس کا سبب ہو، اسلامی نقطہ نگاہ سے اس کی کوئی گنجائش پیدا نہیں ہوتی۔

قرآن میں سورت النسآء میں ہے ''جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں جب فرشتے ان کی جان قبض کرتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں ہم میں عاجز اور ناتواں تھے فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمیں کشادہ نہیں تھی تم اس میں ہجرت کر جاتے ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔ (النساء آیت ۹۷)

مغرب میں آباد ہونے والے مسلمانوں کے ساتھ سب سے بڑا معاملہ جو ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ خود تو کسی نہ کسی حد تک مادیت کے سیلاب سے بچنے میں کامیاب ہوتے ہیں، لیکن ان کی اولاد مادی تہذیب کا حصہ بن کر بے راہ روی کا شکار ہو جاتی ہے، وہاں مادر پدر آزادی کی روح اس تیزی سے پھونکی جاتی ہے کہ مسلمانوں کی اپنی شادیاں ناکامی سے دوچار ہوتی ہیں، اور ان کی اولاد ان سے باغی ہو جاتی ہے، نوے فیصد سے زیادہ مسلمانوں کے ساتھ یہ حالات پیش آتے ہیں، دس پرسنٹ خوش نصیب افراد اپنے ایمان کے خصوصی اہتمام اور اللہ کے فضل خاص سے بچ جاتے ہیں۔



امریکہ میں مسلمانوں کی تنظیم کے ایک سربراہ پچھلے دنوں کراچی آئے تھے، انہوں نے ایک تقریب میں وہاں کے مسلمانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ وہاں مسلمانوں کی اسلامیت کو سخت خطرہ درپیش ہے، پہلے تو رمضان شریف کی تراویح کے لئے مسلمان ممالک سے حفاظ بلائے جاتے تھے، اب وہاں حافظ کافی مقدار میں موجود ہیں، لیکن اب مقتدی نہیں ملتے، مقتدی بھی شاید باہر سے بلانے پڑیں، سبب یہ ہے کہ مادیت پرستی کے ماحول نے نئی نسلوں کی دینی و مذہبی حالت کو بگاڑ دیا ہے اور انہیں مادہ پرست بنا دیا ہے، تنظیم کے ذمہ دار نے ایک واقعہ یہ بتایا کہ ہم امریکہ کے ایک شہر میں مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے گئے تو ہمیں ایک ہوٹل نظر آیا، جس پر مسلمانوں کا نام لکھا ہوا تھا، ہم ہوٹل میں اندر میں گئے، مالک سے ملے، انہوں نے بتایا کہ ہمارے دادا مسلمان تھے، مجھے اور میرے بھائیوں کو اسلام اور مسلمانیت کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے کہ وہ کیا ہوتی ہے، البتہ مسلمانوں کے سے نام ہمیں ورثہ میں ملے ہیں۔

دیکھا گیا ہے کہ بعض اچھے خاصے دیندار لوگ جو یہاں معاشی طور پر مستحکم تھے، وہ بھی اپنی ساری جائداد بیچ کر اپنے بچوں سمیت وہاں منتقل ہو گئے، میں اس طرح کے کئی خاندانوں کو جانتا ہوں۔

یہ بہت تشویشناک صورتحال ہے، جو پیدا ہو گئی ہے، امریکہ اور یورپ کے لئے اتنی کشش کا ہونا، وہ بھی دیندار افراد میں سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ مغرب میں آنے والی نسلوں کا اسلام پر قائم نہ رہنے کا خطرہ ایسا ہے جسے دیکھکر وہاں آباد مسلمانوں کو آنکھیں بند کر کے اپنے ملکوں میں واپس آنا چاہئے، آج سے لگ بھگ چالیس سال پہلے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے یورپ کا دورہ کرتے ہوئے وہاں مسلمانوں سے فرمایا تھا کہ چونکہ یہاں ان کی نسلوں کا بنیادی ایمان ہی خطرہ میں ہے، اس لئے انہیں اپنے ملکوں میں واپس آنا چاہے، اپنے ملکوں میں انہیں روڈ ماسٹری ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔

ایک عالم ربانی کی طرف سے مسلمانوں کو بروقت انتباہ دیا گیا، اللہ کرے وہاں کے مسلمان اب بھی اس پر غور و فکر کریں۔

# جنسی ہیجان خیزی کی نفسیات

## فکر مندی کی ضرورت

اس دور کا بڑا فتنہ جنسی ہیجان خیزی کی نفسیات ہے، جس نے دنیا بھر کے انسانوں کو اپنی گرفت میں لیا ہے، یہ نفسیات، نفس، شیطان اور مادیت پرست قوتوں کے غلبے کا نتیجہ ہے، سوشل میڈیا نے اس نفسیات میں جلتی پر تیل کا کام کر کے، اسے مذہب سے وابستہ لوگوں تک پہنچایا ہے۔

اس لئے کہ سوشل میڈیا نے بے لاگ جنسی واردات کی عکس ریزی کر کے مرد وعورت کے جذبات کو برانگیختہ کیا ہے، مخلوط تعلیمی نظام نے بھی جنسی ہیجان خیزی کے رجحان کو تقویت دی ہے، سوشل میڈیا پر بعض مسلمان نما مرد اور عورتوں کے پروگرام دیکھیں تو وہ کھلم کھلا جنسی بے راہ روی کی تعلیم دیتے ہیں، انہیں اس سلسلے میں نہ تو اپنی مسلمانیت کا خیال رہتا ہے اور نہ ہی شرم وحیا آتی ہے کہ وہ یہ کام کر کے کتنا گھناؤنا کردار ادا کرتے ہیں، نفس کی قوتیں جب غالب آتی ہیں تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے کہ فرد شرم وحیا سے محروم ہو جاتا ہے، حدیث شریف ہے کہ جس میں حیا نہیں ہے وہ جو چاہے کرے، جنسی آزادی اور جنسی ہیجان خیزی کی نفسیات کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس سے ہر طرح کی نیکیوں کی توفیق سلب ہونے لگتی ہے، اس کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ذہن ہر وقت گندے خیالات کا مرکز بنا رہتا ہے، تیسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ایسے افراد اور ایسی قوموں کی ذہنی اور جسمانی توانیاں بُری طرح متاثر ہوتی ہیں، وہ نہ تو فکری تخلیق کے قابل رہتی ہیں اور نہ ہی عملی کام کے لائق۔ واضح ہو کہ مغرب نے ایسا نظام تشکیل دیا ہے، جس کے تحت دنیا بھر کے علوم وفنون کے ماہرین کھنچ کر وہاں چلے جاتے ہیں، اور مغرب کو تلاش وتحقیق کے لئے نیا خون مل جاتا ہے، اس



طرح اہل مغرب کی عیاشی اور سہولت پسندی کی وجہ سے ان کے زوال کی روک تھام کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔

جنسی جذبہ ایک فطری جذبہ ہے، اس فطری تقاضے کی تسکین کی صورت شادی کے رشتہ میں منسلک ہونے سے وابستہ ہے، اسلام کی تعلیم یہی ہے، فطرت میں موجود جنسی تقاضے کے دو مقاصد ہیں، ایک یہ کہ انسانی نسل کا تسلسل قائم رہے اور خاندانی نظام مستحکم رہے خاندانی نظام شادی کے ذریعہ ہی قائم رہ سکتا ہے۔

دوسرا مقصد مرد وعورت کے جذباتِ محبت کی تسکین ہے، اس لئے اللہ نے میاں بیوی کے درمیاں محبت کا نازک تعلق قائم رکھا ہے، لیکن جب جنسی اشتعال کی نفسیات پیدا ہوتی ہے تو فرد جنسیاتی مریض بن جاتا ہے، موجودہ دور میں سوشل میڈیا کے ذریعے جو جنسی مناظر ومظاہر دکھائے جاتے ہیں، وہ ایسے ہیں، جس سے بے ضرر انسان کے جنسی جذبات بھی مشتعل ہو جاتے ہیں اور ذہن کی پاکیزہ ہونے کے بجائے ذہن گندہ خیالات کا مرکز بن جاتا ہے، اس طرح جنسی اشتعال کی نفسیات سے انسان حیوانیت کی صورت اختیار کرنے لگتا ہے۔

چونکہ اہل مغرب کے ہاں جنسی جذبات کی تسکین کے لئے شادی کو غیر ضروری قرار دیا گیا ہے، فرائیڈ کے نظریے کے تحت اس جذبے کو روکنے کے نتیجے میں ذہنی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، اس لئے جنسی تعلق قائم کرنے کے لئے کوئی قانونی اور معاشرتی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے۔ اہل مغرب نے فرائیڈ کے اس نظریے کو شعوری طور پر اختیار کر لیا ہے، اس لئے وہاں جنسی آزادی کے نام سے شرمناک حرکتیں ہوتی رہتی ہیں اور مرد وعورت کے جنسی میلاپ کو نہ صرف یہ کہ بُرا نہیں سمجھا جاتا، بلکہ ماں باپ اپنے بچوں کو یہی تعلیم دیتے ہیں کہ وہ جنسی عمل کے لئے اپنا دوست خود ہی منتخب کر لیں۔

اہل مغرب میں جنسی آزادی اور بے لاگ جنسی عمل ان کی تہذیب کا حصہ ہے مغرب لگ بھگ تین سو سال سے جنسی آزادی کی اس راہ پر گامزن ہے، جس کی وجہ سے جنسی اشتعال کی نفسیات وہاں عام ہے، وہاں، عفت اور عصمت کا تصور بھی نہیں ہے۔

معاشرے میں مذہب کی گرفت جتنی کمزور ہوگی، جنسی ہیجان خیزی کی نفسیات اسی مناسبت سے بڑھتی جائے گی، مغرب میں رہنے والے مسلمانوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی نسلیں تیزی سے فرائیڈ کے اس نظریے کی حامل ہوتی جارہی ہیں کہ انسان کی تخلیق میں سب سے طاقتور نصب العینی داعیہ جنسی جذبہ ہی ہے، یہ مغرب کے طاقتور مادہ پرست ماحول میں رہنے کا لازمی نتیجہ ہے، مغرب میں جنسی ہنگامہ خیزی اور آزاد جنسی عمل کے رجحانات ومیلات سیلاب کی طرح طاقتور ہیں، جس میں لوگ خش وخاشاک کی طرح بہتے جارہے ہیں۔

مادیت پرستی کے جدید آلے نے ایسی صورتحال پیدا کردی ہے کہ اب ہماری نسلیں اہل مغرب کے دیکھا دیکھی تیزی سے آزاد جنسی عمل کی راہ کی طرف جارہی ہیں، اس سلسلے میں ہمیں اپنی نسلوں کی سب سے زیادہ فکر کرنی چاہئے۔

یہ نکتہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالی نے انسان میں جو ذہنی اور جسمانی توانائیاں رکھی ہیں، ان کا ایک ہدف ومقصد یہ ہے کہ ان توانائیوں سے کام لے کر فرد اللہ کے ساتھ اپنی محبت کے ارتقائی مراحل طے کرے، اور اس کے لئے مجاہدوں سے کام لے، البتہ ان توانائیوں کا ایک حصہ جائز جنسی تقاضوں میں صرف کیا جائے تاکہ جہاں انسان کے مادی جذبات حسن کی تسکین ہوسکے، وہاں انسانی نسل کا تسلسل بھی قائم رہ سکے۔



# مغربی تہذیب سے وابستہ لوگوں میں دعوتی کام کی ضرورت

مغربی تہذیب سے وابستہ لوگ اس اعتبار سے قابل رحم ہیں کہ ان کی نہ تو خاندانی، اور گھریلو زندگی بہتر ہے اور نہ ہی وہ ذہنی اور نفسیاتی اعتبار سے مستحکم ہیں، اس کا سبب وحی کی تعلیمات اور دل اور روح کے تقاضوں سے ناواقفیت اور دوری ہے، وحی وہ مستحکم بنیاد ہے، جس سے انسانی شخصیت کی ساری انفرادی واجتماعی ضروریات کو پورا کیا گیا ہے، دل اور روح وہ قوتیں ہیں، جو اللہ کے انوار کو سمانے کا ذریعہ بھی ہیں تو ساتھ ساتھ نفس کی قوتوں کو پامال کرنے کا موجب بھی۔ جو قومیں وحی اور دل اور روح کے تقاضوں سے ناآشنا اور دور ہیں، ان کی زندگی کا کوئی رخ اور پہلو بھی صحیح ہوسکے دشوار ہی نہیں، محال ہے۔

مغربی قوموں کی معاشی خوشحالی ایسے ہے جیسے جسم کے ظاہر کو اچھے لباس سے ملبوس کیا جائے، جب کہ باطن سارے کا سارا ناپاکیزہ ہو۔

مغربی قوموں میں بہت سارے لوگ اضطراب کے انگاروں پر لیٹ رہے ہیں اور وہ حقیقت کی تلاش میں ہیں، اگرچہ نشے کے کثرت سے استعمال سے زیادہ لوگ اس سلسلے میں بے حسی کی حالت میں مبتلا ہیں، تاہم حقیقت کے متلاشی افراد بھی موجود ہیں، جو تسلسل کے ساتھ اپنی ذاتی کوششوں سے اسلام قبول کررہے ہیں، لیکن ضرورت ہے کہ مغرب میں دعوتی کام کے لئے مسلمان حکومتیں اور مسلمانوں کے ذہین طبقات اپنا کردار ادا کریں جو مسلمان کی حیثیت سے ان کی ذمہ داری بھی ہے، آخرت میں اس سلسلے میں ان سے محاسبہ ہوگا کہ توحید رسالت اور آخرت کا عقیدہ تمہارے پاس تھا، تم نے اسے ان عقائد سے محروم قوموں تک دین کی صحیح دعوت کیوں نہیں پہنچائی۔

مغرب میں دعوتی وعلمی اداروں کو مستحکم کرنے کی ضرورت ہے، چونکہ مغرب میں اب تک کتاب پڑھنے کی روایت پوری طرح موجود ہے، اس لئے ان کی ذہنی سطح کے مطابق لٹریچر تیار کرکے ہر فرد تک پہنچانا چاہئے، مسلمان حکومتوں اور مسلمان مالداروں کے پاس وسائل کی کمی نہیں ہے، وہ اس سلسلے میں باصلاحیت دردمند افراد کو دوسرے کاموں سے فارغ کرکے اس کام پر لگا سکتے ہیں اور انہیں ضرور ایسا کرنا چاہئے، ورنہ مسلمانوں کو اس کی ایک سزا تو یہ ملے گی کہ مغربی قومیں انہیں غلام بناتی رہیں گی، ان سے آزادی کی حقیقی نعمت سلب کرتی رہیں گی اور ان پر اپنی پالیسیاں مسلط کرتی رہیں گی۔

مغربی قوموں کی طرف سے یہ سزا اس لئے بھی مل رہی ہے کہ ان کے پاس اللہ کا جو حقیقی پیغام ہے اور ابدی زندگی کے عذاب سے بچانے کا جو پیام ہے، مسلمان اس پیام کو چھپا رہے ہیں اور ان تک پہنچانے کی ذمہ داریاں پوری نہیں کررہے ہیں۔

سچ کہا گیا ہے کہ جو اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کرتے، ان کی ضروریات پوری نہیں کی جاتی اور انہیں مختلف طریقوں سے پامال کیا جاتا ہے۔

اگرچہ مختلف افراد کی طرف سے انفرادی طور پر مغرب میں علمی ودعوتی کام ہورہا ہے، لیکن یہ ناکافی ہے، اس کے لئے ملت کے وسائل صرف کئے جائیں تو اس کے حیرت انگیز نتائج ظاہر ہوں گے کہ مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھنے کے بجائے اپنا سب سے بڑا محسن سمجھا جائے گا، اگرچہ دعوتی کام پوری دنیا میں کرنے کی ضرورت کہ دنیا کفر کی حالت میں موت سے دوچار ہورہی ہے، لیکن مغرب میں خصوصی اہمیت سے اس کام کی ضرورت ہے۔



# سوشل میڈیا کی صحبت
## اور اس کے طاقتور اثرات

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان صحبت سے ہی بنتا بھی ہے تو بگڑتا بھی۔ اس لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ فرد کو اگر دیکھنا چاہو کہ وہ کس راستہ پر ہے تو اس کے دوست کو دیکھو (وہ دوست ہی کے طریقہ پر گامزن ہوگا)۔

اس وقت سوشل میڈیا صحبت کا سب سے طاقتور ترین ذریعہ ہے، وہ کروڑہا نہیں اربہا انسانوں کے ذہن اور ان کی شخصیت کو بگاڑنے کا کردار ادا کررہا ہے، سوشل میڈیا میں زبان بھی کام کررہی ہے تو شخصیت بھی اپنے اثرات منتقل کررہی ہے، یہ زیادہ تر منفی نوعیت ہی کے اثرات ہوتے ہیں، دنیا پرستی کے مناظر، حیوانیت کے مظاہر، مرد وعورت کے میلاپ کی صورتیں، عیش وعشرت کی زندگی کے رنگ، ناچ گانے کی محفلیں سوشل میڈیا میں زیادہ تر یہی چیزیں مقصود کی حیثیت سے پیش ہوتی ہیں۔

یہ چیزیں مغربی تہذیب کا تو حصہ ہیں، لیکن اسلام ان چیزوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میں ناچ گانے کے آلات کو مٹانے کے لئے آیا ہوں۔

ناچنے اور تھرکنے اور جنسی مناظر کی بہتات دیکھنے والوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ان پر جنسی حیوان غالب ہونے لگتا ہے اور وہ آپے میں نہیں رہتا۔

سوشل میڈیا کے ان اثرات نے خود مغربی ملکوں میں اسکول کے طلبہ وطالبات کو جنس زدگی کے اثرات سے مسموم کردیا ہے، اس لئے کئی مغربی ممالک میں اسکول میں اسمارٹ موبائل لانے پر پابندی عائد ہے، دوسرے ممالک پابندی کا سوچ رہے ہیں۔

ہمارے ہاں بھی بچے اور نوجوان سوشل میڈیا کے پروگرام دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ان کے اخلاق بگڑ رہے ہیں، ان کی سوچ فاسدانہ اثرات کی حامل ہوتی

جارہی ہے، وہ احساس تنہائی کی بیماری کا شکار ہو رہے ہیں، بڑوں کے ادب وآداب سے محروم ہوتے جارہے ہیں، نصیحت کی بات سننے کے لئے تیار نہیں، گھر اور اسکول کی ناکافی تربیت بے فائدہ ثابت ہو رہی ہے، اس طرح سوشل میڈیا تربیت کا طاقتور ترین ادارے کی حیثیت سے سامنے آیا ہے، یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہ دجالی آلہ ہے جو دجال کے لئے حالات کو سازگار بنارہا ہے۔

صحبت کا مقابلہ بہتر صحبت کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے، یہ بہتر صحبت نیک اور صالح انسانوں کی صحبت ہے، لیکن بداعمالیوں اور منفی عادتوں کی وجہ سے اس صحبت کی طرف نہ صرف آنے کے لئے آمادگی نہیں ہے، بلکہ اس سے کدورت اور ضد پیدا ہو گئی ہے۔

دنیا کے کروڑہا ر بہا انسانوں کو جنس زدگی کی سوچ کا حامل بنانا، انسانیت کا سب سے بڑا المیہ ہے، انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ انسان کے ساتھ اتنا بڑا المیہ ہوا ہے۔

اتنا بڑا المیہ ہونے کے باوجود دنیا کے طاقتور اداروں اور شخصیتوں کا ضمیر سویا ہوا ہے۔



# مادی تہذیب کے جدید آلے کے اثرات

اسمارٹ موبائل مادی تہذیب کا ایسا آلہ ہے، جو سب سے زیادہ طاقتور ہے، جو ذہنوں اور دلوں کو کنٹرول کرتا ہے، اس کا غیر ضروری اور زیادہ استعمال فرد کی شخصیت کو منفی رخ دینے کا ذریعہ بن جاتا ہے، اس لئے کہ اس میں انسان کی حیوانیت کو ابھارنے، مادی حسن پر فریفتہ ہونے، جنسی خیالات کے غالب آنے اور فکری انتشار پیدا کرنے کا اتنا سامان موجود ہے کہ انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی، یعنی اتنے ہمہ گیر وہمہ جہتی منفی اثرات کا حامل آلہ اس سے پہلے کبھی وجود میں نہیں آیا، دیکھا گیا ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ اس آلے کا استعمال کرتا ہے، اس کے دینی ومذہبی میلانات میں اتنی زیادہ کمی آجاتی ہے اور وہ مادی تفکرات اور مادی دنیا کا اسیر بن جاتا ہے، قرآن میں سورہ طہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا جارہا ہے۔

''جو شخص آخرت کو نہیں مانتا اور خواہشات کا پیروکار ہے کہیں وہ تمہیں آخرت سے دور نہ کردے، اگر ایسا ہوا تو پھر تم ہلاک ہو جاؤ گے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی شخصیت کی نشوونما اس طرح ہوئی ہے کہ اگر اس نے کمال احتیاط سے کام نہ لیا تو منفی قوتوں کے حامل افراد کی صحبت اس کے ایمان کو زیروزبر کر سکتی ہے، اگر بڑے سے بڑا دیندار فرد بھی اس اصول کی خلاف ورزی کرے گا اور جدید خوبصورت آلے کے ذریعہ نفس پرست انسانوں کے حیوانی اور خالص مادی مناظر ومظاہر دیکھتا رہے گا تو رفتہ رفتہ اس کی ذہنی حالت میں تغیر برپا ہوگا اور اس کی زندگی آخرت رخی ہونے کی بجائے دنیا رخی ہو جائے گی اور مادی حسن کے مناظر اس کے دل میں گونجتے رہیں گے۔

ذکر کرنے والا فرد بھی اگر اس کا غیر ضروری استعمال کرے گا تو اس کے لئے اس کے اثرات کی زد سے بچنا ناممکن ہو جائے گا۔

یہ آلہ مادی مقاصد کو فروغ دینے کے لئے بنا ہے، ہر تخلیق میں اس کے بنانے والوں کے احساسات، جذبات اور ان کی سوچ اور میلانات کو پورا عمل دخل ہوتا ہے، ہم اگر یہ چاہیں کہ اس آلے سے منفی اثرات کو نکال کر اسے مثبت مقاصد کے لئے استعمال کریں تو ایسا ہونا

دشوار ہے، البتہ اس آلے کی ہمہ گیریت وہمہ جہتی کی وجہ سے اسے مثبت مقاصد کے لئے استعمال کر کے اس کے کچھ نہ کچھ بہتر نتائج نکالے جا سکتے ہیں، لیکن اس آلے کو غیر ضروری طور پر استعمال کرنا اس سے دینی زندگی اور دینی رجحانات ومیلانات بُری طرح متاثر ہو سکتے ہیں، اس لئے اس سلسلے میں احتیاط اور انتہائی احتیاط ناگزیر ہے، اب معاملہ اتنا آگے بڑھ چکا ہے کہ اس آلے کے ذریعے بڑے بڑے علماء کرام کی تصاویر بھی آنے لگی ہیں، اس پر ہم جیسا عامی فرد کیا کہہ سکتا ہے، بس یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری اولاد کو اس آلے کے ہولناک منفی اثرات سے بچالے، ہماری نئی نسلیں بُری طرح اس آلے کی زد میں ہیں۔ ان کی ساری تربیت اس آلے کے زیر اثر ہو رہی ہے، اس لئے جو اب نسلیں تیار ہو رہی ہیں، وہ تیزی سے اپنی تہذیب سے بے گانہ ہونے کے ساتھ ساتھ شدید فکری انتشار کا شکار بھی ہو رہی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ جدید آلے کے ذریعہ دین ودنیا کے حوالے سے افراد کو بیک وقت ایسی معلومات ملتی ہے کہ فرد کا ذہن زرخیر ہو جاتا ہے، لیکن فرد میں چونکہ حیوانیت اور جنس زدگی کے جذبات انتہائی طاقتور ہوتے ہیں، جنس زدگی کے مناظر دیکھتے ہی وہ بے قابو ہو جاتا ہے اور یہ جذبات اس کی دینی معلومات کو بہا کر لے جاتے ہیں، اور ذہن اتنا مسموم ہو جاتا ہے کہ اسے صحیح رخ دینے میں شدید مجاہدات سے کام لینا پڑتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس آلے نے ایمان اور عمل صالحہ کے لئے شدید خطرات پیدا کر دیئے ہیں اور اپنی پاکیزہ تہذیب پر اعتماد کو بھی مجروح کر دیا ہے۔

کاروباری اور دفتری مقاصد اور رابطے کے لئے اس آلے کی ضرورت وافادیت سے انکار نہیں ہے، لیکن اس کے مفاسد سے بچنے کا اہتمام ہونا انتہائی ناگزیر ہے، ورنہ کاروباری اور دفتری مقاصد فرد کو مادی رجحانات اور مادی راہ پر گامزن کرنے کا ذریعہ بن جائیں گے۔

ایک حدیث شریف میں شاہی چراگاہ کے قریب اپنے جانور چرانے سے منع فرمایا گیا ہے، اس لئے کہ اس کے قریب چرانے سے شاہی چراگاہ میں داخل ہونے کا خطرہ لاحق ہوتا



ہے، اس طرح فرد شاہی مجرم قرار پاتا ہے، اسی طرح بُرائی کے سلسلے میں اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کے قریب آنا فرد کو شاہی چراگاہ میں داخل کرنے کے خطرے سے دوچار کر دیتا ہے، جدید خوبصورت آلہ ایسا ہے جس کے قریب آنے بلکہ جسے دیکھتے رہنے سے بہت سارے مواقع ایسے پیش آتے ہیں، جہاں فرد شاہی چراگاہ میں داخل ہوتا ہے، اس طرح وہ شاہی مجرم قرار پاکر عتاب کا شکار ہوتا ہے اور نیکوکاری سے دور کر دیا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے قرآن کی جس آیت کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے، یہ آیت اس جدید آلے پر پوری طرح لاگو ہوتی ہے کہ اس آلے کے استعمال سے آخرت فراموش اور نفس پرست افراد کی بار بار صحبت ہوتی ہے، جس سے دل تاریک سے تاریک تر ہونے لگتا ہے اور فرد ہلاکت کی خطرے بھی دوچار ہونے لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

ویسے جدید آلے کے مادی اعتبار سے بہت سارے فوائد ہیں، افراد سے رابطے میں آسانی ہوئی ہے، دنیا بھر کے افراد سے ہر وقت گفتگو ہو سکتی ہے، معلومات کا ایک خزانہ ہے، جو اس آلے کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، اس طرح کے بہت سارے فوائد ہیں، لیکن اس آلے سے حیوانی مناظر اور جنس زدگی کی جو فضا اور نفسیات پیدا ہوتی ہے، وہ اتنا بڑا نقصان ہے کہ اس کے مقابلے میں سارے فوائد ہیچ ہیں، پھر ایسی معلومات جس سے عمل صالح کی قوت وصلاحیت کمزور ہوتی ہو اور فاسد عمل کی استعداد میں اضافہ ہوتا ہو، اس طرح کی معلومات تو وبال کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔

# ہماری حالت زار

## انسانیت سے بے بہری کا ہونا

ہمارا سب سے بڑا مسئلہ جو ہمارے زوال کا سبب ہے، یہ ہے کہ ہم سلیقہ انسانیت کے معاملے میں دنیا میں سب سے پیچھے ہیں، ہم اہل مغرب کو کوستے رہتے ہیں کہ وہ ایسے ہیں، ویسے ہیں، یقینا مغرب میں خرابیاں موجود ہیں، لیکن اہل مغرب نے بہت سارے معاملات میں اپنی قوموں میں انسانیت پیدا کی ہے، جس کی وجہ سے ان کی زندگی متعدد معاملات میں خرابیوں سے محفوظ ہے، ان کے ہاں کاروبار میں خیانت نہیں ہے، وہ باہمی معاملات میں الجھاؤ سے بچے ہوئے ہیں۔

اسلام نے انسانیت پر زور دیا ہے کہ انسانی اوصاف پیدا ہوں، لیکن اسلام کے پیروکار ہونے کے باوجود انسانیت ہم سے دور ہے، ہم مواقع تلاش کرتے رہتے ہیں کہ دوسروں کو دھوکہ دے کر زیادہ سے زیادہ مال کس طرح کمائیں، اسلام کی بہت ساری تعلیمات ایسی ہیں جو انسانیت سے تعلق رکھتی ہے، **خیر الناس من ینفع الناس** لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو لوگوں کو نفع پہنچاتے ہیں۔

لوگوں کو نقصان پہنچانے کی نفسیات کی موجودگی میں اسلام سے وابستگی اور پھر اپنے زوال کی حالت پر روتے رہنا، بے معنی بات ہے، اگر ہم اسلام سے انسانیت نہیں سیکھ سکتے تو کم از کم اہل مغرب انسانیت کے جن اجزاء پر عمل پیرا ہیں، انہی اجزاء کو اختیار کریں۔

جب ہم اہل مغرب کے ساتھ اپنی انسانیت کا موازنہ کرتے ہیں تو اس معاملے میں اپنے آپ کو پیچھے پاتے ہیں اور ان کو آگے دیکھتے ہیں، قدرت کا انسانوں کے ساتھ معاملہ سلیقہ انسانیت سے وابستہ ہے کہ اس طرح کی قوموں کو کردار میں پست قوموں پر بالادستی حاصل ہوتی ہے، ضرورت ہے کہ ہمارے ہاں مسلمانوں کو سلیقے سے بہرہ ور کرنے کی تحریک شروع



ہو، جس کے زیر اثر سب سے پہلے اپنے آپ کو بدلنے اور اسلام سے ہمہ آہنگ کردار اختیار کرنے کا جذبہ وداعیہ پیدا ہو، اس تحریک کے بغیر ہمارا زوال دوسروں کے لئے عبرت ہی کا موجب بنتا رہے گا۔

قدرت کا یہ اصول ہے کہ انسانیت سے محروم قوموں پر ایسی قوموں کو مسلط کیا جاتا ہے جو اہم معاملات میں انسانیت سے بہرہ ور ہوتی ہیں۔

ہم نفاذ اسلام کے خواہشمند ہیں اور اس کے لئے تحریک بھی چلاتے ہیں، لیکن جب ہم اپنی ذاتی زندگیوں میں اسلام کو نافذ کرنے اور اسلام کی اختیار کردہ انسانی تعلیمات واوصاف سے بے بہرہ ہیں تو اسلام کے نفاذ کی صورت کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔

انسانیت سے بہرہ ور ہونا، اسلام کا اہم حصہ ہے، اس کے بغیر اسلام کے تقاضے پورے ہی نہیں ہو سکتے۔

مغرب نے قومی اخلاق کے ذریعہ انسانیت کا ایک حصہ اپنایا ہے، اس کی وجہ سے وہ اپنی اجتماعی زندگی کی ساری خرابیوں کے باوجود پوری طرح زوال سے بچے ہوئے ہیں اور قدرت ان کو مہلت پر مہلت دے رہی ہے، ہم انسانیت سے بے بہرہ ہیں اور اسلام کی رسمی تعلیمات کے باوجود ہم بحرانوں سے دوچار ہیں، قدرت ہمیں سنبھلنے کا مسلسل موقعہ دے رہی ہے۔

ہمارے مقتدر طبقات کو مغرب کے حالات کا پوری طرح مشاہدہ ہے، اور انہیں معلوم ہے کہ مغرب کو ان کا قومی اخلاق ہی سہارا دیئے ہوئے ہیں، اس کے باجود وہ اسلام کی اخلاقی اور انسانی تعلیمات کی معاشرے میں ترویج کے لئے آمادہ نہیں ہے یہ بڑے المیہ کی بات ہے جس کی سزا ہم سب بھگت رہے ہیں۔

# عقل اور دل کے درمیان حجابات

## صاحب دانش اور صاحب دل کا تجزیہ

عقل اور دل کے درمیان کشمکش ہر فرد کے درمیان کچھ نہ کچھ رہتی ہے، دل، عقل کو نفس سے آزاد کر کے، اللہ کی معیت میں دنیا چاہتا ہے، لیکن عقل، نفس کے غلبے کی وجہ سے مزاحمت کرتا ہے اور قلب کو قلب سلیم بنانے کی طرف راغب نہیں ہوتا، دل اور عقل کے درمیان یہ کشمکش شروع میں زیادہ ہوتی ہے، لیکن جب عقل، دل پر ہر صورت میں غالب آنا چاہتا ہے تو پھر کشمکش باقی نہیں رہتی اور فرد کی شخصیت نفس کے زیر اثر عقل کے تابع ہو جاتی ہے، یہ بڑی سزا ہوتی ہے کہ سرے سے کشمکش ہی ختم ہو جائے۔

دل کی اہمیت یہ ہے کہ وہ اللہ کے انوار کو حاصل کرنے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہے، پھر دل انوار کے یہ اجزا عقل اور پوری انسانی شخصیت کی طرف منتقل کرتا ہے، جس سے شخصیت نفس کی قوت سے بڑی حد تک آزاد ہو جاتی ہے، دوسرے یہ کہ شخصیت میں نکھار پیدا ہو جاتا ہے، اور وہ حقائق کو سمجھنے کے قابل ہو جاتی ہے۔

عقل کا صاحب یعنی دانشور وہ ہوتا ہے، جو کتابوں کے مطالعے سے دانشور بنتا ہے یا اپنے جیسے صاحب عقل افراد کی صحبت سے اس کی عقل بیدار ہوتی ہے، جب کہ صاحب دل شخصیت وہ ہوتی ہے، جو دل پر محنت کر کے دل کی صلاحیتوں کو بیدار کرتی ہے، اور دل اور عقل کے درمیان ہمہ آہنگی پیدا کرنے کے لئے کوشاں ہوتی ہے۔

صاحب عقل فرد حقائق کے ایک پہلو یا ایک حصے سے آشنا ہوتا ہے، جب کہ صاحب دل شخصیت دل کی گہرائیوں میں ڈوب کر انسانی شخصیت کی خوبیوں، خامیوں، اس کی صفات اور اس کے تقاضوں سے نہ صرف آشنا ہوتی ہے، بلکہ وہ صاحب عمل شخصیت ہوتی ہے، جب کہ صاحب عقل یعنی دانشور ہر معاملے میں عقل پر بھروسہ کرنے کی وجہ سے قیل و قال اور



خوبصورت الفاظ کے استعمال میں تو آگے ہوتا ہے، لیکن وہ اشکالات اور الجھنوں کا شکار ہو کر حقیقت تک رسائی میں ناکام رہتا ہے، اور معاملات کے فہم کی اس کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے، وہ دنیاوی معاملات میں تو تیز تر ہوتا ہے لیکن اخلاقی، روحانی اور نفسیاتی نوعیت کے معاملات کو سمجھنے میں پیچھے ہوتا ہے، دانشور عقل کے زیاہ استعمال کی وجہ سے زیادہ بولتا ہے، جب کہ صاحب دل شخصیت دل میں مستغرق ہونے کی وجہ سے سارے حقائق سے واقف ہوتی ہے، اس لئے اس کے ہاں زبان کا استعمال کم سے کم تر ہوتا ہے۔

دانشور سے افراد معاشرہ فیض رسائی یا نفع حاصل نہیں کر پاتے، اس لئے کہ اسے لوگوں کو دینے کے لئے قیل و قال کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا، جب کہ صاحب دل شخصیت اپنے کردار کی خوشبو سے لوگوں کو متاثر کرتی ہے اور ان میں روحانیت کے اجزا بھی منتقل کرتی ہے۔

دانشور عقل ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے، اس لئے اس کا ہدف معلومات ہی رہتی ہے، وہ معلومات دینے کا ذریعہ بنتا ہے، جب کہ اس معلومات پر عمل پیرا ہونے کی اس کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے، وہ عمل کے معاملے میں پیچھے ہوتا ہے، جب کہ صاحب دل شخصیت ایک حد تک عقل کے استعمال سے تو ضرور کام لیتی ہے، لیکن اس کا زور دل کی قوت کے ذریعے عمل پر ہوتا ہے، وہ عمل کے معاملے میں آگے بڑھنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔

صاحب عقل فرد کو جب افراد معاشرہ سے شکایت ہوتی ہے یا اختلاف ہوتا ہے تو وہ سخت رنجیدہ ہو جاتا ہے، اس کے لوگوں سے تعلقات کشیدہ ہونے لگتے ہیں، جب کہ صاحب دل شخصیت اس طرح کے سارے معاملات میں لوگوں کو یک طرفہ طور پر معاف کر دیتی ہے اور وہ شکوہ شکایات کو دل میں پالنے نہیں دیتی۔

دانشور سے جب لوگوں کے معاملات ہوتے ہیں تو لوگ ان سے قریب ہونے کے بجائے دور ہونے لگتے ہیں، اس لئے کہ دل پر محنت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا دل سخت ہوتا

ہے، جب کہ صاحب دل شخصیت سے معاملات ہوتے ہیں تو لوگ ان سے مزید قریب ہونے لگتے ہیں۔

دانشور اپنی زندگی کی بنیاد عقل پر رکھتا ہے اور وہ عقل ہی کو حرف آخر سمجھنے لگتا ہے، جب کہ صاحب دل شخصیت دل کے نور سے کام لیتی ہے، وہ نور کے یہ اجزا عقل کی طرف بھی منتقل کرتی ہے۔

اختلاف کے موقعہ پر دانشور کی حالت قابل رحم ہوتی ہے، جب کہ صاحب دل شخصیت اختلاف کو فطری چیز سمجھتے ہوئے اس کا کوئی اثر نہیں لیتی، حقیقت یہ ہے کہ دانشور کو جب تک صاحب دل شخصیت کی صحبت حاصل نہیں ہوتی، تب تک اس کی زندگی کے تضادات دور نہیں ہو سکتے، قرآن نے دل کو غیر معمولی اہمیت دی ہے **فانها لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور** (پس آنکھیں اندھی نہیں ہوتی بلکہ سینے میں جو دل ہیں وہ اندھی ہوتی ہے) سینے میں موجود دل کا اندھا ہو جانا، یہ بڑی سزا ہے، جو عقل پرستی کی وجہ سے ملتی ہے، دل جو روشنی کا مرکز ہے، جب وہ اندھا ہو جائے تو پھر فرد تاریکی کی حالت میں ہی رہتا ہے، اور تاریکی کی حالت میں ہی سوچتا ہے، اسے ایسی روشنی ملنے نہیں پاتی، جس سے وہ نفس کی قوت اور اس کے حربوں کو سمجھ سکے اور اسے اللہ کا مطیع بنا سکے۔

قرآن میں دل کی اہمیت کے بارے میں بیسیوں آیتیں ہیں، ایک اور آیت کا ترجمہ ہے، جو دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہو کر اٹھے گا۔

یہاں اندھے ہونے کا مطلب دل کا اندھا ہونا ہے، فرد دل کی صلاحیتوں کو بیدار کر کے ہی اللہ کو پاتا ہے، اللہ کو پاتا ہے تو شخصیت میں موجود کشمکش ختم ہو جاتی ہے، لیکن عام طور پر افراد ذہن کی سطح سے آگے بڑھکر دل تک پہنچنے کی سرے سے کوشش ہی نہیں کرتے، حدیث شریف ہے کہ گناہ وہ ہے جس پر تمہارا دل کھٹکہ محسوس کرے، لیکن جب دل روشنی سے محروم ہو جائے تو گناہوں پر دل میں کھٹکہ پیدا ہی نہیں ہو پاتا۔



یہ دراصل عقل اور عقلیت ہی کو سب کچھ سمجھنے اور دل کو اہمیت نہ دینے کا نتیجہ ہے، یہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے، دوسروں کی تحقیر کرتے رہنے اور اعتراض کی نفسیات کا بھی نتیجہ ہوتا ہے۔

بد قسمتی سے موجودہ دور میں دل کی قیمت پر عقل کا استعمال ہو رہا ہے، اور صاحبان عقل، دل اور صاحبان دل کو کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں، اس کا نتیجہ ہے کہ معاشرے میں معلومات میں تو اضافہ ہو رہا ہے، لیکن کردار کا بحران پیدا ہو رہا ہے، جس سے افراد معاشرہ میں ٹوٹ پھوٹ پیدا ہو رہی ہے، اور لوگ ایک دوسرے سے دور سے دور تر ہوتے جا رہے ہیں، اس حالت کو بدلنے کی ضرورت ہے، جس کی صورت یہی ہے کہ صاحبان دل سے دل کی صلاحیتوں کے کچھ اجزا حاصل کئے جائیں۔

سمجھنا چاہئے کہ جس طرح عقل معلومات کا ذریعہ ہے، اسی طرح دل روشنی کا مرکز ہے، عقل کو جب تک دل کی روشنی حاصل نہیں ہو گی، تب تک عقل کی فراہم کردہ معلومات سے شخصیت کی پاکیزہ بنیادوں پر تعمیر ہونا محال ہے۔

دانشور کو حقیقی دانشور بننے کے لئے عقل کی سرحدوں کو طے کر کے دل کی گہرائیوں تک پہنچنا ہوتا ہے، اس کے بعد ہی حقائق کھلتے ہیں اور عقل کو دل کی معیت کی حاصل ہونے کی وجہ سے وہ سلیقہ انسانیت سے بہرہ ور ہوتا ہے، موجودہ دور میں جب کہ مغربی تہذیب نے عقلیت کی روح تیزی سے پھونکی ہے، جس کے اثرات سے مسلم دنیا بھی مسحور ہے، اس دور میں مشکل لگتا ہے کہ عقل اور عقلیت دل کی معیت میں سفر کرے، اگر ایسا نہ ہو گا تو مسلم دنیا ہی کا نہیں، انسانیت کا بہت بڑا خسارہ ہو گا، اس لئے کہ حقیقی بینائی اور روشنی سے محروم انسان تاریکی ہی میں رہنے لگتا ہے، لیکن وہ سمجھتا یہ ہے کہ میں روشنی سے بہرہ ور ہوں۔

# اسلام کی بعض اہم تعلیمات

## (احادیث نبوی کی روشنی میں)

اس مضمون میں اسلام کی بعض اہم تعلیمات پیش کی جاتی ہیں، ایسی تعلیمات جس کی طرف عام طور پر ہمارا دھیان نہیں جاتا، اس تعلیمات سے معلوم ہوگا کہ اسلام نے فرد کی زندگی کے ہر گوشہ کو پاکیزہ بنانے اور فرد کو انسانیت کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے لئے کتنا زور صرف فرمایا ہے۔

(۱) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مخلوق، اللہ کا کنبہ ہے، جو اس مخلوق کے لئے بہتر ہے وہ اللہ کی نظر میں بہتر ہے۔

(۲) آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کے لئے بہتر ہے۔

(۳) آپ ﷺ نے فرمایا میں نے ایک شخص کو جنت میں دیکھا، اسے یہ نعمت اس لئے ملی کہ اس نے راستے میں درخت کو کاٹ پھینکا تھا جس سے لوگوں کو تکلیف ہو رہی تھی۔ (مشکوۃ)

(۴) آپ ﷺ نے فرمایا جو میرے کسی امتی کی حاجت پوری کرتا ہے، وہ مجھے خوش کرتا ہے، جس نے مجھے خوش کیا، اس نے اللہ کو خوش کیا، اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا۔ (صحیح مسلم)

(۵) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ (صحیح بخاری)

(۶) آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تم سے محبت کرے تو دنیا سے بغض رکھو، اگر تم چاہتے ہو کہ لوگ تم سے محبت کریں تو دنیا کو انہی کی طرف پھینک دو۔

(۷) آپ ﷺ نے فرمایا، اس بندے میں خیر نہیں جس کا مال ضایع نہ ہو جو بیمار نہ ہو۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اسے مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں اس طرح اسے صابر بنا دیتے ہیں۔



(۸) آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو اس کو کسی تکلیف میں مبتلا کر دیتے ہیں، تاکہ وہ اس کے عجز و زاری کو سنے۔

(۹) آپ ﷺ نے فرمایا جس چیز کے بارے میں تمہارے دل میں کھٹکہ پیدا ہو، اسے چھوڑ دو، جس چیز سے کھٹکہ پیدا نہ ہو اسے اختیار کرو۔

(۱۰) آپ ﷺ نے فرمایا، مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے (نیت کو پاکیزہ بنانے کے لئے مجاہدوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تاکہ عمل میں ریا اور کبر وغیرہ شامل نہ ہو)۔

(۱۱) آپ ﷺ نے فرمایا بندے کی فضول کاموں میں مصروفیت اس بات کی علامت ہے کہ اس نے اللہ سے روگردانی اختیار کی ہے اور اس بات کی بھی کہ اللہ نے اس سے نظر التفات پھیر لی ہے۔

(۱۲) آپ ﷺ نے فرمایا جس گروہ میں (کثرت سے) دنیا آئے گی اللہ تعالیٰ ان میں دشمنی اور بغض پیدا کرے گا (یعنی خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں)۔

(۱۳) آپ ﷺ نے فرمایا، علماء دین کے امین ہیں، جب تک امرأ سے نہ ملیں، جب امرأ سے ملیں گے (ان سے تعلقات رکھیں گے) تو وہ دین کے رہزن ہیں۔

(۱۴) آپؐ نے فرمایا جو شخص دکھاوے کے لئے کپڑا پہنے گا تو اللہ اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائیں گے۔

(۱۵) آپ ﷺ نے فرمایا جس نے علم کو غیر خدا کے واسطے حاصل کیا اور جس نے علم کے ذریعے غیر خدا کی رضاجوئی کا ارادہ کیا تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کرے۔

(۱۶) آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کا حال چالیس برس کی عمر میں بھی یہ ہو کہ اس کی بُرائیوں پر نیکیاں غالب نہ ہوئیں تو اسے دوزخ میں جانے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔

(۱۷) قیامت کے دن سخت عذاب اس عالم کو ہوگا جس کو اس کے علم نے فائدہ نہیں پہنچایا۔

(۱۸) آپ ﷺ نے فرمایا، نیک لوگ دنیا کی بے نیازی سے ہی سجتے ہیں (یعنی بھلے لگتے ہیں)۔

(۱۹) آپ ﷺ نے فرمایا، نظر، ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے، جس نے نظر کی حفاظت کی اور غیر محرم کو نہ دیکھا اسے عبادت کی حلاوت عطا کی جائے گی۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ اس بندے کو شاداب و مسرور رکھے جس نے میری بات سنی (میرا پیغام سنا) اور اسے صحیح طور پر دوسروں تک پہنچایا۔

(۲۱) قیامت کے دن ترازو میں حسن اخلاق سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہ ہو گی۔

(۲۲) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اگر تجھے غذا حاصل ہے اور صحت اور امن بھی، اس کے باوجود تم غم میں مبتلا ہو تو تم سے غم کبھی دور نہ ہو گا۔

(۲۳) آپ ﷺ نے فرمایا میرے قلب پر بھی غبار چھا جاتا ہے سو میں شب و روز میں ستر بار استغفار کرتا ہوں (منتہی پر بھی تغیرات طاری ہوتے ہیں جو اس کی شان کے مطابق ہوتے ہیں، سالک کو ان سے تنگ دل نہ ہونا چاہئے، جب تک کہ وہ گناہ تک نہ پہنچادیں)۔

(۲۴) آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کی آیات پاکر مستغنی نہیں اللہ تعالیٰ اسے غنی نہ کرے۔

(۲۵) آپ ﷺ نے فرمایا دنیا کے لئے اتنے کام کر، جتنا تجھے دنیا میں رہنا ہے آخرت کے لئے اتنے کام کر جتنا تیرا وہاں رہنا مقدر ہے۔

(۲۶) آپؐ نے فرمایا بوڑھے شخص کے دل کی آرزوئیں دو چیزوں کے بارے میں جو ان رہتی ہیں، ایک دنیا کے بارے میں دوم لمبی لمبی امیدیں۔

(۲۷) آپ ﷺ نے فرمایا جنت نفس کے خلاف کام کرنے سے ملے گی اور دوزخ میں لوگ اپنے نفس کی بُری عادتوں کی وجہ سے جائیں گے۔

(۲۸) آپ ﷺ نے فرمایا، کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جس پر دین کا دار و مدار ہے جس سے تم دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل کر سکتے ہو، ایک اہل ذکر کی مجلس دوسرے تنہائی میں ذکر۔



(۲۹) آپ ﷺ نے فرمایا، فرد دوست کے دین پر ہوتا ہے اس لئے دوست کے انتخاب میں احتیاط کرو۔

(۳۰) آپ ﷺ نے فرمایا ملعون ہے وہ شخص جو کسی مومن کو ضرر پہنچائے یا دھوکہ دے۔

(۳۱) آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کو اذیت پہنچاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اذیت پہنچائے گا جو شخص کسی سے دشمنی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مشقت و تکلیف میں مبتلا کرے گا۔

(۳۲) آپ ﷺ نے فرمایا جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی، اس نے گویا شرک کیا، جس نے دکھاوے کے لئے خیرات کی، اس نے بھی شرک کیا۔

(۳۳) آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں، جو تمہارے نیک اعمال میں سب سے زیادہ افضل ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پاکیزہ ہو، درجات میں سب سے زیادہ بلند درجات والا ہو اور اللہ کی راہ میں سونے چاندی خرچ کرنے سے بھی زیادہ افضل ہو اور جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے اور دشمن کو مارنے اور مرنے سے بھی زیادہ افضل ہو، صحابہ نے کہا یا رسول اللہ ضرور بتائیں آپ نے فرمایا اللہ کا ذکر۔

اسلام کی یہ اور اس طرح کی دوسری تعلیمات ایسی ہیں جو ہم سب کی ناگزیر ضرورت ہیں، ضرورت ہے کہ ایک تو دل اور ذہن پر اس تعلیمات کا استحضار قائم ہو، دوسرے یہ کہ اس تعلیمات کو عام کیا جائے۔

ان تعلیمات کو اپنی شخصیت پر لاگو کرنے اور نفس کی قوت سے منوانے کے لئے سب سے مؤثر ذریعہ ذکر کا ہے، اگر ذکر کا مسلسل تکرار ہوتا رہے تو نفس کی قوت کمزور ہو گی اور اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا آسان ہو گا، اس سلسلے میں آخر میں ذکر کے حوالے سے جو حدیث شریف پیش کی گئی، وہ غیر معمولی اہمیت کی حامل حدیث ہے۔

# اسلامی تہذیب کی بعض خصوصیات

اسلامی تہذیب، انسانی فطرت سے ہمہ آہنگ تعلیمات پر مشتمل ہے، انسانی فطرت میں خداپرستی کا طاقتور جذبہ موجود ہے، جو فرد کو اللہ کے علاوہ کہیں جھکنے نہیں دیتا اور اللہ سے والہانہ محبت کے زیر اثر فرد سے وہ اعمال سرانجام دلاتا ہے، جن کی وحی کے ذریعہ تعلیم دی گئی ہے، عقائد اسلامی تہذیب کا بنیاد ہیں، عقائد میں اللہ پر ایمان رسولوں پر ایمان اور آخرت پر ایمان وغیرہ شامل ہے، پھر عقائد کی بنیاد پر اعمال اور اخلاق حسنہ کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔

اسلامی تہذیب میں عبادت اور ذکر وفکر پر زیادہ زور دیا گیا ہے کہ اس سے فرد اللہ کے لئے یکسو ہو جاتا ہے، اس کی شخصیت پر اللہ کا رنگ غالب ہونے لگتا ہے۔

اسلامی تہذیب میں باطن کی پاکیزگی پر بھی زیادہ دیا گیا ہے، تاکہ فرد نفس پرستی کی قوتوں سے آزاد ہو کر، خالص اللہ کے لئے ہو جائے اور پوری طرح سلیقہ انسانیت سے بہرہ ور ہو جائے۔

اسلامی تہذیب میں نماز کو بڑی اہمیت حاصل ہے کہ نماز سے اللہ سے تعلق میں استواری پیدا ہوتی ہے اور بُرائیوں سے بچاؤ کی صورت بھی۔

اسلامی تہذیب میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے پر زور دیا گیا ہے، مال خرچ کرنے کی کم سے کم صورت زکوٰۃ ہے، زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال خرچ کرنے پر ابھارا گیا ہے، اس سے جہاں غربا اور مسکینوں کی مدد ہوتی ہے، وہاں دل سے دنیا کی محبت بھی نکلنے لگتی ہے، مال خرچ کرنے سے معاشرے میں معاشی ناہمواری ختم ہونے میں مدد ملتی ہے اور سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ ذہنیت پر کاری ضرب لگتی ہے۔

اسلام، معاملات کی بہتری پر بھی زور دیتا ہے کہ کاروبار وغیرہ میں دھوکہ دہی اور بددیانتی نہ ہو، جو معاملات میں اچھا نہیں، وہ دین میں کمزور سمجھا جاتا ہے۔



اسلامی تہذیب میں سارے معاملات آخرت کو پیش نظر رکھکر سرانجام دیئے جاتے ہیں کہ وہاں فرد اللہ کی پکڑ سے محفوظ ہو، اور اسے نجات حاصل ہو۔

اسلامی تہذیب میں ہر بُرائی سے بچنے کی تلقین فرمائی گئی ہے، اس لئے کہ بُرائی سے بُرے عمل صادر ہوتے ہیں اور فرد کی نفسیات میں ناپاکی کے اجزاء غالب ہونے لگتے ہیں، بُرائیوں کے ہوتے ہوئے عبادت اور اعمال مسترد کر دیئے جاتے ہیں۔

عبادت کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اس سے دل اللہ کی محبت سے سرشار ہونے لگتا ہے اور اللہ کی محبت سے ہر طرح کی بُرائی سے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

اسلامی تہذیب میں سود اور سودی کاروبار پر سخت تنبہ فرمائی گئی ہے، اللہ اور اس کے رسول سے اعلان جنگ قرار دیا گیا ہے اور ماں سے ستر گنا زیادہ زنا کرنے کے مترادف بھی۔

سود دراصل انسانیت کے ساتھ سخت قساوت قلبی کا مظاہرہ ہے، اس سے غریب کنگال بن جاتا ہے جب کہ امیر، امیر تر۔ یہ انسانی ذہن کا گھناؤنا جرم ہے، لیکن مغربی تہذیب کی معیشت کی بنیاد ہی سود پر ہے۔

اسلامی تہذیب میں گانے بجانے کو بڑا جرم قرار دیا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں گانے بجانے کے آلات کو مٹانے کے لئے آیا ہوں، موسیقی یا گانا بجانا یہ دراصل فرد کو جنسی طور پر بے قابو کر دیتا ہے اور جنسی ہیجان خیزی پیدا کرتا ہے، جس سے معاشرے میں شرم وحیا ختم ہو جاتی ہے، مغربی تہذیب کے علمبرداروں نے موسیقی کو جتنا فروغ دیا ہے، اس کی پوری انسانی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

اسلامی تہذیب میں نفس کے خلاف جہاد پر بھی زیادہ زور دیا گیا ہے، تاکہ نفس کی قوت جو اللہ کے مقابلے میں سامنے آتی ہے، وہ مجاہدے سے پامال ہو اور وہ ضابطے میں آئے، کفار کے خلاف جہاد کو بھی اہمیت دی گئی ہے، اس وقت پیٹھ پھیرنے سے سارے اعمال ضایع

ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ کفار اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صف آرا رہتے ہیں، ان سے مقابلہ کر کے اسلام اور مسلمانوں کا تحفظ کرنا ناگزیر ہے۔

غرض کہ اسلامی تہذیب زندگی کے ہر معاملے سے بحث کرتی ہے اور اس میں رہنمائی فراہم کرتی ہے، اسلامی تہذیب کو جدید اصطلاح میں نظام زندگی کہا جائے تو بھی صحیح ہوگا، اس نظام زندگی سے انفرادی اور اجتماعی زندگی کا کوئی شعبہ اور گوشہ باہر نہیں ہے۔

اسلامی تہذیب مادی زندگی کو بھی اہمیت دیتی ہے کہ دنیا میں رہنا ہے تو مادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے جدوجہد کرنی ہے، لیکن دنیا میں استغراق سے سختی سے منع فرمایا گیا ہے۔

اسلام سیاسی نظام کی تبدیلی اور سیاست کو اسلامی تعلیمات سے ہمہ آہنگ بنانے پر بھی زور دیتا ہے کہ سیاست کے بگاڑ سے ساری اجتماعی زندگی فساد سے دوچار ہونے لگتی ہے۔



## انسان کو طاقتور پاکیزہ تہذیب کی ضرورت

انسان بہتر مخلوق ہے اور محبت سے عبارت ہے، انسان، انس سے بنا ہے، جو سراپا محبت کو ظاہر کرتا ہے، یہ محبت اپنے مولا سے شدید ترین محبت، اللہ کے رسول ﷺ سے محبت اور انسانوں سے محبت، یہ محبت وہ مرکز ہے، جس سے انسان کی زندگی پاکیزہ بنیادوں پر تشکیل ہوتی ہے، لیکن یہی محبت ہے جو مادہ پرست نظریات کے غلبے کی وجہ سے اس دور میں رخصت ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے ذہنی اور نفسیاتی بیماریوں نے وبا کی صورت اختیار کر لی ہے، اور روح زندہ ہونے کے باوجود مردگی کی سی حالت سے دوچار ہے اور فرد مردہ لاش پر مشتمل جسم کو لئے لئے پھرتا ہے۔

انسان کی یہ حالت زار ایسی ہے جو سب سے زیادہ قابل رحم حالت ہے، جس پر ساری مخلوق ماتم کناں ہے۔

مغربی انسان خنزیر کے گوشت اور کثرت سے شراب کے استعمال اور آزاد اور بے لاگ جنسی عمل میں محویت کی وجہ سے وہ اس قابل ہی نہیں رہا ہے کہ وہ لذت اور عیش و عشرت کی اس زندگی سے بلند ہو کر پاکیزہ تہذیب کی حقیقت اور اس نوعیت کو سمجھ سکے، اس لئے مغربی تہذیب یا مغربی انسان سے یہ توقع رکھنا کہ انسانیت کو ذہنی، نفسیاتی اور روحانی بیماریوں سے نکالنے میں کوئی کردار ادا کریں گے، عبث ہے۔ بلکہ جدیدیت تہذیب مادہ پرستی کی روح کو مسلسل پھونکتے رہنے کی وجہ سے انسان کی اس حالت زار میں مزید اضافہ کر رہی ہے۔

انسان کو اس بحرانی حالت سے نکالنے کے سلسلے میں طاقتور پاکیزہ تہذیب کی ضرورت ہے، جس پاکیزہ تہذیب کے زیر اثر فطرت میں موجود طاقتور محبت کے جذبات بیدار ہو کر ارتقا پذیر ہوں، اور ان جذبات کو پوری طرح کام کرنے کا موقعہ ملے، جب محبت غالب ہوگی تو انسان آزاری کے رویے از خود دور ہو جائیں گے، ذہن کو پاکیزہ خیالات کی غذا ملے گی تو ذہنی

اور نفسیاتی بیماریاں از خود ختم ہو جائیں گی۔ محبت اور اطاعت کے ذریعہ روح کی محبوب حقیقی سے وصال کی حالت پیدا ہو گی تو روح طاقتور ہو جائے گی اور وہ پورے جسمانی نظام کو اپنی طاقت سے چلاتا رہے گا۔

پھر انسان کو معاشرتی اور معیشتی نظام کی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے بھی پاکیزہ تعلیمات کی ضرورت ہے۔

یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جو کسی مادی نظریے اور مادی تہذیب کے بس کی بات نہیں ہے، بلکہ یہ سارا بحران مادی نظریوں اور مادی تہذیب ہی کا تو پیدا کردہ ہے۔

یہ طاقتور پاکیزہ تہذیب اسلامی تہذیب ہی ہو سکتی ہے، جو انسانیت کو بہت کچھ دے سکتی ہے، آداب معیشت و معاشرت، سلیقہ انسانیت سے بہرہ وری کی صلاحیت، قوموں کے ساتھ برابری کی سطح پر خوشگوار تعلقات، معاشی طور پر کمزور قوموں کی محض انسانی ناتے کی وجہ سے معاونت کا سلسلہ جاری رکھنا، عورت اور مرد کے درمیان بہتر تعلقات کی صورت، جنگ وجدل سے بچکر چلنا، اللہ کی زمین پر اللہ کی مخلوق کی حیثیت سے زندگی گذارنے کی استعداد، عالمی سطح سے لے کر مقامی سطح تک سودی قرضے کی لعنت سے نجات، سب سے بڑی بات یہ کہ توحید کا عقیدہ اور آخرت کی ابدی زندگی میں نجات کی فکر اور اس کے لئے کاوشیں۔

انسانیت کو یہ ساری چیزیں پاکیزہ اسلامی تہذیب بہت بہتر طور پر دے سکتی ہے، ایسی تہذیب تو انسانیت کے لئے سب سے بڑی سعادت ہے، انسانیت کو ہمہ گیر وہمہ جہتی بحران سے نکالنے کے لئے جو پاکیزہ صفات و خصوصیات کسی دوسری تہذیب کے حامل افراد کے پاس نہیں ہیں، وہ چیز اگر اسلام کے پاس موجود ہے، یقیناً موجود ہیں تو اس کا تو آگے بڑھکر خیر مقدم کرنا چاہئے اور اسلام سے یہ چیزیں لینی چاہئے۔

انسانیت کو اسلام کی طاقتور پاکیزہ تہذیب سے روشناس کرنے کے لئے جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان معاشرہ اور ریاست عملاً اسلامی تہذیب کا زندہ



نمونہ ہو، اور وہاں ہر شعبہ زندگی میں اسلامی تعلیمات کا چلن ہو، اسلام جو اللہ کے نام انسانیت کا پیغام ہے، وہ جب کسی معاشرے اور ریاست کا حصہ بنے گا تو اس کی خوشبو سے انسانیت معطر ہو گی، اس طرح اس کے لئے ہر طرح کے بحران سے نکلنے کی صورت پیدا ہو گی، دنیا میں بہت سارے مسلمان ممالک موجود ہیں، یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ کوئی ایک بھی مسلمان ملک اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو عملاً اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں، افغانستان واحد ملک ہے، جو اس راہ پر گامزن ہے، لیکن افغانستان سے طویل عرصے تک جنگ کی وجہ سے مغرب کی اس سے دشمنی کی فضا قائم ہے اور سب نے مل کر افغانستان کا گھیراؤ کر لیا ہے، اور اسے دنیا کے سامنے اپنا اسلامی کردار دکھانے کا موقعہ نہیں مل رہا ہے، لیکن ان شاء اللہ چند سالوں کے اندر حالات بدلیں گے اور افغانستان اسلام کا زندہ نمونہ بن کر دنیا کے سامنے آئے گا۔

# نفس کی مختلف حالتیں

نفس خواہشات کا مرکز ہے، یہ خواہشات جائز بھی ہو سکتی ہیں اور ناجائز بھی۔

اگر خواہشات اسلامی شریعت سے ہمہ آہنگ ہوں تو اسے نفس کی بہتر حالت کہا جائے گا، ایسے افراد خوش نصیب شمار ہوں گے، یہ بڑی سعادت کی بات بھی ہے، لیکن اگر خواہشات ناجائز ہوں اور اسلامی شریعت کے خلاف ہوں، خالص لذت پر مشتمل ہوں تو اسے نفس کی خراب حالت قرار دیا جائے گا، ایسا شخص رفتہ رفتہ نفس پرستی کی قوتوں کے تابع ہونے لگتا ہے۔

قرآن میں مختلف مقامات پر نفس کا ذکر ہے، یہاں دو آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔

سورۃ الفرقان کی آیت ۴۳۔۴۴ کا ترجمہ اس طرح ہے'' کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے تو کیا تم اس پر نگہبان ہو سکتے ہو یا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں (نہیں) یہ تو چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔ ''

سورت الجاثیہ کی آیت نمبر ۲۳ میں ہے،''بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنالیا ہے، علم کے باوجود (گمراہ ہو رہا ہے) تو اللہ نے بھی اس کو گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگادی ہے، اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے، اب اللہ کے سوا اسے کون راہ پر لا سکتا ہے۔''

نفس کی مختلف حالتوں میں ایک حالت یہ ہے کہ وہ توحید، رسالت اور بنیادی ایمانی عقائد سے ہی محروم ہو اسے نفس کی حالتِ کفر کہا جائے گا، جو انتہائی سخت حالت ہے، ایسے افراد دائمی عذاب سے ہی دوچار ہوں گے، اس لئے کہ اپنے پیدا کرنے والی ہستی کا انکار کرنا سخت سرکشی کی حالت ہے، جو ناقابل معافی جرم ہے۔



نفس کی دوسری حالت یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد پر ایمان تو ہے، لیکن ایمان سے آگے بڑھکر اعمال کی توفیق نصیب نہیں ہے، بنیادی فرائض تک سے محرومی ہے، نفس کی یہ حالت پہلی حالت سے تو بہتر ہے، لیکن اعمال کے بغیر سزا سے بچنا محال تر ہے۔

نفس کی تیسری حالت یہ ہے کہ ایمانی عقائد بھی موجود ہیں اور دینداری بھی، لیکن دینداری رسمی نوعیت کی ہے، فرائض کی ادائیگی تو ہے، لیکن اخلاق و کردار میں پاکیزگی نہیں ہے اور کاروبار اور معاملات میں اسلامی تعلیمات سے ہمہ آہنگی نہیں ہے، نفس کی یہ حالت پہلی دو حالتوں سے تو بہت بہتر ہے، تاہم اسلامی شریعت سے پوری طرح ہمہ آہنگی نہ ہونے اور اخلاقیات سے بہرہ ور نہ ہونے کی وجہ سے سزا کا خطرہ موجود ہے، نفس کی یہ حالت اسلام اور اسلامیت کی کامل نمائندگی شمار نہیں ہوگی۔

نفس کی چوتھی حالت یہ ہے کہ اس کی ساری خواہشات اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کے مکمل طور پر تابع ہوں، اور دل، عقل اور نفس کے درمیان مکمل ہمہ آہنگی ہو، اور اللہ سے تعلق مستحکم ہو، اخلاق میں پاکیزگی اور معاملات میں بہتری ہو، نفس کی یہ حالت مطمئنہ کہلائے گی، اس طرح کے نفس کی حامل شخصیت انتہائی خوش نصیب شمار ہوگی، وہ دنیا و آخرت میں ہر طرح کی کامیابیوں سے ہمکنار ہوگی، لیکن نفس کی یہ حالت پیدا ہونے میں نفس امارہ کے خلاف طویل عرصے تک معرکہ آرائی کرنی پڑتی ہے، اللہ کے ذکر کو وظیفہ بنانا پڑتا ہے اور نفس کا روزمرہ زندگی میں سختی سے محاسبہ کرنا پڑتا ہے۔

یہ زندگی ملی ہی اس لئے ہے، تاکہ نفس کو مذہب بنا کر اسے مکمل طور پر اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کے تابع بنایا جائے۔

اس کا انعام ابدی جنت کی صورت میں حاصل ہوگا۔

یہ نکتہ سمجھنا ضروری ہے کہ انسانی شخصیت میں نفس، عقل اور جسمانی نظام یہ سارے کا سارا مادی نوعیت کا ہے، جب کہ دل اور روح یہ دونوں آفاقی چیزیں ہیں، دل کی نوعیت ایسی

ہے کہ وہ محبوب کے انوار حسن کے لئے مچلتا رہتا ہے اور روح کی تو حالت یہ ہے کہ وہ محبوب کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ لیکن اللہ نے انسان کی آزمائش کی خاطر انسانی شخصیت میں نفس کی صورت میں شر کی بہت بڑی قوت رکھی ہے، جو دل اور روح کا محبوب سے رشتہ منقطع کر کے ان دونوں کو اپنی خواہشات کے تابع بنالیتا ہے، عقل تو مادی نوعیت کی ہے وہ تو پہلے سے ہی نفس کے تابع ہو جاتا ہے، اب ہمارا کام یہ ہے کہ مجاہدوں کے ذریعہ نفس کی قوت کو پامال کر کے دل، روح اور عقل کو نفس کی یرغمالی سے آزاد کرائیں اور نفس کو مہذب بنانے کی راہ پر لگائیں، جب نفس کی حالت میں رفتہ رفتہ تبدیلی آتی جائے گی تو دل روح اور عقل پر اس کی گرفت کمزور تر ہوتی جائے گی اور دل اور روح عقل کو ساتھ لے کر اپنی پرواز بلند کرنے میں کامیاب ہوں گے اور فرد کی شخصیت آداب عبدیت اور آداب انسانیت سے بہرہ ور ہو جائے گی۔

اس طرح انسان اپنی تخلیق کے مقصد میں کامیاب ہو گا۔



# دین کے اہم معاملات میں
# تقلید کی اہمیت

تقلید دو طرح کی ہوتی ہے، ایک فقہی معاملات میں تقلید، دوسرے دین کی حقیقت کو سمجھنے کے معاملے میں تقلید، یہ دونوں طرح کی تقلید ضروری ہیں، دوسری نوعیت کی تقلید زیادہ اہمیت کی حامل ہے، اس لئے کہ اس کے بغیر دین کے صحیح نصب العین تک رسائی اور دین کی روح کو سمجھنے میں ناکامی ہوتی ہے۔ دینی علوم میں رسوخ حاصل کرنے والے اہل علم کے لئے فقہی معاملات میں تقلید ضروری نہیں ہے۔

ائمہ سلف اور بزرگان دین اس اعتبار سے ہمارے لئے روشنی کا مینار ہیں کہ وہ اپنی زندگیاں صرف کر کے قرآن وسنت کا حقیقی فہم حاصل کرتے ہیں، اس طرح وہ ہمارے لئے رہنمائی کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔

اس حقیقت کو قرآن کے پانچویں پارے کی اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ ''جس نے رسول کی مخالفت کی ہدایت کے واضح آجانے کے بعد، مومنوں کے علاوہ دوسری راہ اختیار کی، ہم اسے ایسا کرنے دیں گے لیکن بعد میں ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے۔''

اللہ نے جہاں قرآن وسنت کے ظاہری الفاظ کی حفاظت کا ذمہ حفاظ کے ذریعے اپنے لئے لیا ہے، وہاں قرآن وسنت کے مفہوم، اس کی حقیقت اس کی روح اور اس کی ترتیب کا ذمہ بھی ائمہ سلف اور بزرگان دین کے ذریعے اپنے ذمے لیا ہے۔

بزرگان دین کے بارے میں بعض ذہین علمی شخصیتوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ ان کے ہاں تزکیہ نفس کے لئے ذکر واذکار کی بعض ایسی شکلیں موجود ہیں جن کا قرآن وسنت سے تعلق نہیں ہے۔

اگرچہ یہ بات صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ ان کے ہاں اللہ کے اسم ذات اور لا الہ الا اللہ کے ذکر کا تکرار ہوتا ہے، جس سے قلب کی صفائی و تطہیر ہوتی ہے، البتہ ان کے ہاں لطائف وغیرہ کا بھی ذکر ہوتا ہے، اس طرح کی چیزیں دراصل دین کا حصہ نہیں ہوتی، بلکہ دین کے لئے ہوتی ہیں، یعنی وہ فی الدین نہیں ہوتی، بلکہ للدین ہوتی ہیں، ان کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے صحبت کے بعد وہ نورانی ماحول نہیں رہا، جس سے نفس جیسی ہولناک قوت کی اصلاح ہو سکے، اس کے لئے انہوں نے ذہن سے کام لے کر کچھ چیزیں اختیار کی ہیں جن کے فوائد و ثمرات یہ ہیں کہ صدیوں سے کروڑہا لوگوں کی اصلاح ہوئی ہے۔

دین کے اہم معاملات میں تقلید ضروری ہے، اگر تقلید نہ ہوگی تو ایک تو دین کا تصور تبدیل ہو جائے گا، دوسرے یہ کہ دین کی ترتیب بدل جائے گی۔

تقلید اپنے جیسے لوگوں کی نہیں، بلکہ سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کے تقلید۔

قرآن نے ہمیں ایسی شخصیتوں کی تقلید کا پابند بنایا ہے **اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم**۔ یا اللہ ہمیں سیدھا راستہ رکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے، یعنی انعام یافتہ لوگوں کا راستہ، انعام یافتہ لوگوں کے راستہ پر چلنے ہی کو تو تقلید کہتے ہیں، یہ تقلید امت میں صدیوں سے چلتی رہی ہے، جس کی وجہ سے دین آج صحیح تسلسل سے ہم تک پہنچا ہے۔

آج جب تقلید کے بجائے خود رائی کے ذریعے دین اور اس کی حقیقت کو سمجھنے کی کوششیں شروع ہوئی ہیں تو امت میں گروہ بندی اور تفرقہ میں اضافہ ہوا ہے۔ دین کے اہم معاملات میں تقلید کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ دین کی صحیح ترتیب کیا ہے، دین کا نصب العین کیا ہے، اور دین کی تعلیمات میں کس چیز کو کیا مقام حاصل ہے۔

نیز فرائض و واجبات کا نظام کیا ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جو اپنے ذاتی فہم اور ذاتی غور و فکر سے حاصل نہیں ہوتی۔



حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا وہی راستہ صحیح اور قابل قبول ہے جس پر امت کے لاکھوں علماء کرام گامزن رہے ہیں۔ فتنوں سے بچنے کے لئے ان کے راستہ اور علوم کو سینے سے لگانا ناگزیر ہے۔

اس کے بغیر ذہین فرد اپنے ذاتی مطالعے سے دین کی جو تشریح کرے گا، اس سے ایک تو امت میں گروہ پیدا ہوں گے، دوسرے یہ کہ دین کے کم اہمیت کے کام زیادہ اہمیت اختیار کریں گے اور حقیقی اصلاح اور دین کے حوالے سے صحیح ذہن سازی کا کام بُری طرح متاثر ہوگا۔

اپنی علمی حیثیت کو کم کر کے اپنے ذہن کو سلف صالحین کے تابع کرنے سے جہاں سلف صالحین کے علوم سے فیضیابی ہوتی ہے، وہاں حکمت کے سرچشمے بھی پھوٹنے لگتے ہیں، اس لئے کہ حکمت کے یہ سرچشمے اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کی صحبت سے ہی جاری ہوئے، جو اپنے آپ کو علمائے سلف اور علمائے ربانی سے آہنگ بنانے سے ان کے سینوں سے منتقل ہوتے ہیں ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جو کچھ میرے سینے میں تھا وہ میں نے ابو بکر کے سینہ میں منتقل کر دیا۔

# محبت کی نفسیات

## اور اس کے تقاضے

اللہ سے محبت کی نفسیات کے غالب ہونے کی سعادت ایسی ہے کہ اس سے بڑھکر کوئی سعادت نہیں ہے، اس لئے کہ اس سے شخصیت میں ایمانی اور روحانی اعتبار سے ایسی توانائی پیدا ہوجاتی ہے کہ ہر طرح کی بُرائی سے بچنے کی صورت بھی پیدا ہوجاتی ہے تو اعمال بھی از خود صادر ہونے لگتے ہیں، محبت اپنے ساتھ انوار بھی لاتی ہے، جس سے محب، محبوب کے لئے وارفتہ ہوجاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محبت کے بغیر زندگی بے معنیٰ ہے، محبت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی دعا ہے کہ یا اللہ مجھے اپنی محبت عطا فرما اور ان لوگوں کی محبت عطا فرما، جو تجھ سے محبت کرتے ہیں۔

محبت اپنے ساتھ حلاوت بھی لاتی ہے، ایسی حلاوت جس سے بڑھکر دنیا میں کوئی حلاوت نہیں ہوتی، محبت کا ارتقائی عمل نفس کی قوت کو پامال کرنے کا ذریعہ بنتا ہے، محبت میں جب اللہ کی شان عظمت کا غلبہ ہوتا ہے تو محب کی شخصیت مٹتی ہوئی نظر آتی ہے، وہ عاجزی اور فروتنی کا حامل ہوجاتا ہے۔

محبت کی نفسیات کے غلبے کی خصوصیات اتنی زیادہ ہیں کہ بیان کرنے سے باہر۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت جس کا قرآن میں سب سے زیادہ زور ہے، وہ محبت سے ہی آتی ہے، محبت، رسمی اطاعت سے آگے بڑھا کر حقیقی اطاعت کی طرف لانے کا ذریعہ ہوتی ہے، ایسی اطاعت جس میں اخلاص اور بے نفسی موجود ہوتی ہے۔

قرآن کی یہ آیت کہ مومن اللہ سے شدید محبت رکھتے ہیں، یہ محبت کی فیصلہ کن اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔



اللہ سے شدید محبت کے لئے مجاہدوں کی ضرورت لازمی ہے، ساتھ ساتھ وہ لوگ جو اللہ سے محبت کرتے ہیں، ان کی صحبت کی بھی۔ جب تک مجاہدوں سے نفس کی قوت پامال نہیں ہوتی، تب تک محبت کی نفسیات غالب نہیں ہوتی۔ محبت غالب نہیں ہوتی تو ایک تو فرد اللہ کے ساتھ یکسو نہیں ہو پاتا، دوسرے یہ کہ باطن میں شر کی قوتیں موجود ہوتی ہیں، جو اسے حب جاہ و حب مال اور حسد و جلن وغیرہ پر اکساتی رہتی ہیں، محبت کا عمل یک طرفہ نہیں ہوتا، یعنی اس میں محض بندے کی طرف سے محبت نہیں ہوتی، بلکہ محبوب حقیقی کی طرف سے کشش بھی ہوتی ہے جو اسے اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے، بندہ گرتا ہے تو محبوب کی طرف سے اسے اٹھا دیا جاتا ہے، وہ اپنے آپ کو افضل سمجھنے لگتا ہے تو تھوڑی دیر کے لئے اس کی کیفیات سلب کرلی جاتی ہے، اس طرح اس کی تربیت کی صورت پیدا ہوتی رہتی ہے، اس طرح محبت کے ارتقائی مرحلے طے ہوتے رہتے ہیں، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ محبت ایسا عمل ہے کہ جس کا کوئی بدل ہی نہیں ہے، اس محبت کے لئے تو جسم و جان کی جتنی بھی قربانی دینی پڑے، دینی چاہئے۔

محبت فطرت کا طاقتور ترین تقاضا ہے، جسے نفس کی قوت اور دنیادارانہ ماحول دبا دیتا ہے، اب اسے بیدار کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ فطرت سے ہمہ آہنگی کی صورت بھی پیدا ہوجائے اور سعادت دارین بھی حاصل ہو۔

# دنیاوی الجھنوں کی نفسیات

## اور اس سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی ضرورت

دنیا میں رہنا ہے تو دنیاوی کام کاج تو کرنے ہی ہوں گے، اس کے بغیر رہا نہیں جا سکتا ہے، اس حقیقت کو اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ دنیا ایک حد تک ناگزیر ضرورت ہے، اس لئے ایک حد تک دنیاوی مشاغل کی اہمیت مسلمہ ہے، لیکن جب دنیا اوڑھنا بچھونا اور مقصود بن جائے تو پھر زندگی کا سارا توازن بگڑ جاتا ہے اور دنیا کے تفکرات میں فرد اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ اپنی اصلاح اور آخرت کی فکر ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہے، بلکہ نہ ہونے کے برابر ہو جاتی ہے، موجودہ دور میں عالمگیر سطح کا جو ماحول ہے وہ مادہ پرستی یا دنیاداری پر مشتمل ماحول ہے۔

اس ماحول کے اثرات ہیں کہ مادی الجھنوں کی نفسیات عام ہو گئی ہے، لگ بھگ ہر فرد زیادہ سے زیادہ دنیا چاہتا ہے اور دنیا کی ہر قسم کی سہولتوں سے متمتع ہونا چاہتا ہے۔

اگر فرد کی ایمان ویقین کی حالت مستحکم ہو تو وہ مادی الجھنوں میں اتنا زیادہ مصروف ہونے کے بجائے سادہ طرز زندگی اختیار کر کے، اللہ کی راہ محبت میں چل کر اللہ سے ملاقاتی ہونا چاہتا ہے، سادہ طرز زندگی اور ایمان ویقین کی مستحکم حالت اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس سے فرد کی ساری سعادتیں وابستہ ہیں، سادہ طرز زندگی سے یہ ہے کہ فرد دنیا میں زیادہ بھاگ دوڑ سے بچ جاتا ہے، اس کے پاس اتنا وقت ہوتا ہے کہ وہ عبادت وذکر کے ذریعہ اپنے اخلاق بھی بنا سکتا ہے تو سکون کی زندگی بھی گزار سکتا ہے، دوسرے یہ کہ اس سے وہ اپنی آخرت کی زندگی بھی بنا سکتا ہے، لیکن دنیا کی حرص وہوس نے ہم سے یہ نعمت سلب کر لی ہے۔

ایک حدیث شریف ہے کہ تم پر اگر ایک ہی فکر غالب ہو یعنی (دین کی فکر، آخرت کی فکر، اللہ کے سامنے حاضری کی فکر) تو اللہ تمہاری ساری ضروریات کے لئے کافی ہو گا، لیکن



اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ کو اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ تم کس وادی میں بھٹکتے پھرتے ہو قرآن میں سورہ النازعات میں ہے کہ جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

دنیاوی زندگی کو ترجیح دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت دنیا کی فکر غالب ہو اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور اصلاح نفس کی فکر نہ ہو۔

قرآن کی یہ آیت موجودہ دور کے انسان کے حالات کی غمازی کرتی ہے، قرآن میں ایک جگہ ہے۔

''جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کو مشکلات سے نکالنے کا راستہ پیدا کرتا ہے اور اس کی روزی کا انتظام ایسی جگہ سے کرتا ہے کہ وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔''

حقیقت یہ ہے کہ دنیاوی زندگی اتنی بڑی اہمیت کی حامل نہیں ہے کہ اس میں اپنی ساری یا بیشتر توانائیاں صرف کی جائیں، اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ تقویٰ کی راہ اختیار کرنے سے فرد کے ساتھ برکت کا ایسا نظام وابستہ ہو جاتا ہے کہ اس کی روزی کے لئے حالات سازگار سے سازگار ہوتے چلے جاتے ہیں، دنیا کے حوالے سے تفکرات نہ ہونے اور سادہ طرز زندگی سے دنیاوی زندگی خوشگوار ترین بن جاتی ہے۔

اب بھی موقعہ ہے کہ دنیاوی الجھنوں کی نفسیات سے چھٹکارہ حاصل کر کے دنیاوی تفکرات سے نجات حاصل کریں اور اپنے اوپر ایک ہی فکر یعنی اللہ اور آخرت کی تیاری کی فکر کو غالب کریں۔

# دینی معاملات میں غلو کی نفسیات

دینی معاملات میں غلو (یعنی اسلام نے جس کام کو جو اہمیت دی ہے اس سے زیادہ اہمیت دینا) سے بچنا اور دین کی صحیح ترتیب پر قائم رہنا ایسی بات ہے جو دین کے بنیادی تقاضوں میں شامل ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث شریف سے لگایا جاسکتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ دینی معاملات میں غلو سے بچو، اس لئے کہ تم سے پہلے کے لوگ انہی باتوں کی وجہ سے ہلاک ہوئے، یہ بہت اہم حدیث ہے جو ہمیں انتباہ دیتی ہے کہ ہم فکری اور عملی طور پر ایسی راہ اختیار نہ کریں، جس میں دین کا ایک پہلو اتنا غالب ہو کہ دوسرے پہلو نظر انداز ہو جائیں یا دین کے نصب العین کے تعین میں امت کے اجماع سے ہٹ کر اپنے ذہن سے دین کا نصب العین متعین کریں، یا دین نے جس کام کو جو اہمیت دی ہے، اس کی اس اہمیت کو زیادہ اہمیت کی حیثیت سے پیش کریں اور عملاً اختیار کریں۔

یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جو دین میں غلو کے ضمن میں آجاتی ہیں، اس سے کئی نقصان ہوتے ہیں ایک یہ کہ دین کا تسلسل جو صحابہ کرام سے اب تک چلا آرہا ہے، وہ متاثر ہوتا ہے اور دین کی نئی تشریح کے نام پر نئے گروہ تیار ہوتے ہیں، یہ گروہ دین کے نام لیوا ہوتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہوتے ہیں، دوسرے یہ کہ اگر تزکیہ کے بنیادی کام کو کم اہمیت دی گئی، جس طرح دی جارہی ہے تو اصلاح کا پورا نظام متاثر ہوگا اور متعلقہ حلقوں سے وابستہ افراد دین کے نام پر تزکیہ کے بحران کا شکار ہوں گے۔

موجودہ دور ایسا ہے کہ دین کے حقیقی وارثوں اور علمائے ربانی کی نایابی اور ان سے دوری کی وجہ سے دین کے نام پر نئی نئی تشریحات کا دروازہ کھل گیا ہے، اس لئے کہ جدیدیت کا فتنہ اتنا طاقتور ہے کہ اس نے ہماری بہت سی ذہین شخصیتوں کے فکر و نظر کو متاثر کیا ہے، ان ذہین



شخصیتوں کی بیشتر فکری تربیت جدیدیت کے لٹریچر سے ہوئی ہے، انہوں نے اپنی ذہانت سے ہماری نسلوں کو دین کے نام پر غلو کی راہ پر لگایا ہے۔

ایک شخصیت نے دین کی یہ تشریح کی کہ کمیونزم میں اگر خدا کا تصور شامل کیا جائے تو وہ اسلام بن جائے گا، اس شخصیت کے زیر اثر وسیع لٹریچر تیار ہوا ہے اور تنظیم بھی قائم ہے جو اس فکر کو خالص اسلامی فکر کی حیثیت سے پیش کر رہی ہے، بعض شخصیتوں نے دین کی یہ تشریح کی ہے کہ دین نام ہے اصلاح نفس اور تعلق باللہ کا، انہوں نے دین میں جہاد، سیاست، اجتماعی نظام کی اصلاح کی نفی کی ہے، ان شخصیتوں نے بھی اپنے اپنے طور پر ہلچل برپا کرنے کی کوشش کی، بعض شخصیتیں ہیں جنہوں نے دین کے سیاسی پہلو کو دین کے نصب العین کی حیثیت دے کر دین کے باقی سارے معاملات کو اس نصب العین کے ذریعہ کے طور پر پیش کیا ہے، اس کے لئے عرصے سے جماعتیں بھی مصروف عمل ہیں۔

انعام یافتہ لوگوں جن کے نمائندے سلف صالحین ہیں انہوں نے دین کی جو تشریح کی ہے اس میں صحابہ کرام کے اخذ فیض سے پورا توازن موجود ہے، دین نے جس کام کو اہمیت دی ہے، انہوں نے اس میں ذرہ برابر بھی کمی بیشی نہیں کی ہے دین کو اسی طرح ہمارے سامنے پیش کیا ہے، جس طرح صحابہ کرام کے سامنے پیش ہوا ہے۔ جس میں دین کے سارے پہلو اپنے پورے توازن کے ساتھ موجود ہیں، اس میں عبادت، تعلق باللہ، فکر آخرت، آخرت کی تیاری، جہاد، غلبہ دین، دعوت دین وغیرہ سب موجود ہیں، لیکن ان کی ایک پوری ترتیب ہے، جو تزکیہ نفس اور ذکر وعبادت سے شروع ہوتی ہے، اس میں دعوتی کام اور جہاد کو مناسب اہمیت دی گئی ہے۔

بزرگان دین کی صحیح ترتیب کے ساتھ دینی تعلیمات (جو قرآن وسنت کی روشنی میں کی گئی ہے)۔ کتابوں میں موجود ہے، لاکھوں بزرگان دین ہیں جو دین کی اسی ترتیب پر قائم رہے، لیکن بدقسمتی سے موجودہ دور میں جدیدیت سے ماخوذ اسلامی تشریح کی وجہ سے مذکورہ

شخصیتوں سے وابستہ لاکھوں افراد ہیں جن کی ذہن سازی اس طرح ہوئی ہے کہ ان کی نظر میں بزرگوں کی کتابیں بے معنیٰ ہیں۔ دینی معاملات اور اس کی صحیح ترتیب کو سمجھنے کے سلسلے میں وہ بزرگوں کی کتابوں سے استفادہ کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں۔

اگرچہ مذکورہ بعض شخصیتوں کی ایک لحاظ سے دینی خدمات بھی بہت زیادہ ہیں کہ انہوں نے اپنی قلمی صلاحیتوں سے لاکھوں افراد کو الحاد و دہریت کی راہ سے بچایا، لیکن انہوں نے دین کی نئی تشریح کر کے غلو سے بھی کام لیا، جس کی وجہ سے تزکیہ مقصود ہونے کی بجائے سیاست مقصود شمار ہونے لگی۔

دینی معاملات میں یہ غلو المناک بات ہے، اور اپنے دینی تسلسل سے ٹوٹنے کا موجب بھی۔ اللہ ہماری فکر و نظر کی اصلاح کی صورت پیدا فرمائے۔ (آمین)

دین کی اہم شخصیتوں سے محبت کے نام پر ہمارے ہاں جو کچھ ہو رہا ہے، اسے بھی غلو ہی میں شمار کیا جائے گا۔

شریعت نے جس کو جو مقام دیا ہے، اسے اسی مقام پر رکھنا، یہ اسلامی شریعت کے تسلسل اور توازن کو قائم رکھنا ہے، جس طرح انسانی شخصیت میں آنکھ، کان، دماغ، پاؤں وغیرہ کے لئے متعین مقام ہیں ان میں سے اگر کسی بھی چیز کو اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھا جائے تو اس سے ساری شخصیت بگڑ جائے گی، اسی طرح دینی معاملات میں عقائد، عبادات، معاملات، تزکیہ، جہاد، سیاست وغیرہ کو ترتیب کے ساتھ اسلام میں اہمیت دی گئی ہے، اگر اس ترتیب کو بدل کر عقائد، اور تزکیہ کو آخر میں رکھا جائے گا تو دین کی ساری ترتیب بدل جائے گی۔

اللہ ہمیں اس نکتہ کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)



# دل اور ذہن کے درمیان دوری کی نفسیات
## اور اس کے المناک نتائج

انسانی شخصیت میں دل، زندگی کو قائم رکھنے کا بھی ذریعہ ہے تو ساتھ ساتھ وہ اللہ سے محبت کا مرکز بھی۔

دل اور ذہن کی خصوصیات مختلف نوعیت کی ہیں، موجودہ دور میں بدقسمتی سے اس نکتے کو سمجھنے میں ناکامی ہوئی ہے، جس کی وجہ سے انسانی معاشرہ فساد سے دوچار ہے۔

دل اور ذہن کی خصوصیات کچھ اس طرح ہیں۔

(۱) دل اللہ کی محبت کا مرکز ہے، جب کہ ذہن اللہ کی محبت سے ناآشنا اور اپنی ساخت میں آزاد ہے۔

(۲) دل اللہ کے انوار حسن کے مشاہدہ سے تسکیں پاتا ہے، جب کہ ذہن انوار حسن کی بات سمجھنے سے ہی قاصر ہے۔

(۳) دل پر محنت سے وہ دنیا کے حوالے سے سرد ہو جاتا ہے، جب کہ ذہن ہر وقت دنیا میں الجھا رہتا ہے۔

(۴) دل کو مادی نوعیت کی ترقی سے زیادہ سروکار نہیں ہے، جب کہ ذہن ساری مادی ترقی کا ذریعہ ہے، یعنی ساری مادی ترقی ذہنی کاوشوں ہی کا نتیجہ ہے۔

(۵) دل، اللہ کے ساتھ ساتھ اللہ کے بندوں سے بھی محبت کرتا ہے، اور ان سے محبت کو انسانی شرف کا حصہ سمجھتا ہے، جب کہ ذہن جب وحی اور دل کی صلاحیتوں سے محروم ہو تو یہ ذہن نفس کا یرغمال بن کر اپنے مفادات کی خاطر انسانیت سے حالت تصادم میں رہتا ہے، انسان کی ساری تاریخ نفس کے یرغمال شدہ اسی ذہن کا نتیجہ اور شاخصانہ ہے۔

دل لطیف چیز ہے، وہ اللہ کی محبت سے روشنی پاتا ہے، اللہ سے محبت کے ذریعہ نئی نئی معلومات حاصل کر کے سلیقہ انسانیت سے بہرہ ور ہوتا ہے اللہ اور اس کی اطاعت کا وظیفہ بنانے کا گر سکھاتا ہے۔

جب کہ ذہن معلومات اور قیل و قال سے آگے بڑھنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

دل جب اللہ کی محبت سے روشنی پاتا ہے تو وہ تخلقوا باخلاق اللہ یعنی شخصیت کو اللہ کے اخلاق کا حامل بنا دیتا ہے، جب کہ ذہن سطحی معلومات پر اکتفا کر کے شخصیت کو اخلاقیات سے عاری بنا دیتا ہے۔

ذہن جب وحی کی روشنی میں دل کی معیت اختیار کرتا ہے تو وہ اللہ کے انوار کا مرکز بن جاتا ہے، دل انوار کا کچھ حصہ ذہن کی طرف بھی منتقل کر دیتا ہے، جس سے ذہن روشنی پا کر نفس کی تاریکی اور اس کی ظلمات کو سمجھکر اس سے مقابلے کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔

دل اور ذہن کی مذکورہ خصوصیات ایسی ہیں، جس سے جدید انسان بالکل ناآشنا ہے، اس کی وجہ سے انسانیت بحران کا شکار ہے، عقل کے ذریعے ٹیکنالوجی اور مادی ترقی میں تو انسان آگے ہے، لیکن دل کے انوار سے محرومی کی وجہ سے ٹیکنالوجکل ترقی انسان کو حیوانیت کی راہ پر گامزن کرنے کا ذریعہ بن گئی ہے۔

انسان کی اس حالت زار پر دردمند انسان خون کے آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

دل کو بیدار کر کے اسے روشنی فراہم کرنے اور اس کے ذریعہ شخصیت کو پاکیزہ بنانے کے لئے مجاہدوں کی ضرورت ہے، جس طرح مادی نوعیت کے علوم وفنون میں صلاحیت حاصل کرنے کے لئے سخت محنت ہوتی ہے، اسی طرح کی محنت دل پر بھی ہوتی ہے، اسے اصطلاح میں مجاہدہ کہتے ہیں، یہ مجاہدہ ذکر و فکر اور عبادت کے ذریعہ ہی ہوتا ہے، جس سے رفتہ رفتہ نفس کی قوت پامال ہوتی ہے، مجاہدوں سے ذہن کو بھی تابناکی حاصل ہوتی ہے۔ اس



صورت میں دل اور ذہن مل کر انسانی شخصیت کو کمال کی راہ پر گامزن کرتے ہیں، اس سے ذہن، دل، علم اور محبت مل کر انسانی معاشرہ کو حقیقی ترقی سے ہمکنار کرتے ہیں۔

ہمارے تعلیمی اور ذہن سازی کے اداروں میں جب تک اس نکتے کو اجاگر نہیں کیا جائے گا اور دل اور ذہن کے درمیان ہمہ آہنگی پیدا کرنے کی تعلیم نہیں دی جائے گی، تب تک انسانیت بحران کی حالت سے نکل سکے، ممکن نہیں۔

قرآن میں دل کا ذکر سینکڑوں مرتبہ آیا ہے، جس سے دل کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** (جان لو کہ دلوں کو سکون اللہ کے ذکر سے ہی ہوتا ہے) **فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم** (پس جب انہوں کجی اختیار کی تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا)۔

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ دلوں کے سکون کا ذریعہ اللہ کا ذکر ہی ہے، اس کے بغیر سکون مل ہی نہیں سکتا، اس لئے کہ نفس، انسانی شخصیت میں ہلچل برپا کرتا رہتا ہے، نفس کو روک کر سکون دینے والی چیز اللہ کا ذکر ہی ہے، ذکر سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی سعادت ہے، دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ جب کوئی کج روی اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کے دل کو قبولیتِ حق سے محروم کر کے اور اس کے دل کو سخت کر دیتا ہے، اگرچہ قرآن میں عقل کا بھی مختلف مواقع پر ذکر ہے کہ آخر یہ عقل سے کام کیوں نہیں لیتے، اس سے عقل کی بھی ایک حد تک اہمیت معلوم ہوتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ عقل اور دل کا قریبی رشتہ ہے، یہ نفس کی قوت ہی ہے جو عقل کو دل سے دور کر دیتی ہے، ورنہ عقل تو دل کی ساتھی ہے، قلبی ذکر میں جہاں دل کی طرف توجہ ہوتی ہے، وہاں دماغ کا بھی دھیان شامل ہوتا ہے۔

ان دونوں کے میلاپ سے ہی قلب اللہ کے ذکر کے نور سے سرشار ہوتا ہے اور عقل کو بھی اس نور کا حصہ ملتا ہے، جس سے عقل، انسانی شخصیت کے اصل حقائق سے آشنا ہونے لگتی ہے۔

# باطن کی اہمیت خیالات کی طوفانی لہروں کا ابھرتے رہنا

## اصلاح کی ضرورت

باطنی بیماریاں ایسی ہیں جو عام طور پر ہر فرد کے ساتھ زندگی بھر لاگو رہتی ہیں اور اسے تضادات سے دوچار کر دیتی ہے، یعنی باطن میں ایک چیز ہے تو ظاہر میں اس سے مختلف دوسری چیز، دنیا میں ہمیشہ سے موجود سارا فساد باطنی بیماریوں کی وجہ سے ہی ہوتا رہا ہے، باطن میں نفس کی خواہشیں اور اس کی امنگیں رہتی ہیں۔ جو فرد کو تکبر، بڑے پن، حسد، شہرت، جذبہ خود نمائی، اپنی افضلیت، دوسروں کی تحقیر، دنیا پر فریفتگی وغیرہ کی راہ پر لگاتی ہیں، باطن کی یہی قوتیں ہوتی ہیں، جو مزاج کے خلاف باتیں برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی، اگر حق بات فرد کی خواہش کے خلاف ہے تو اس بات کو قبول کرنے کے لئے کسی صورت آمادگی نہیں ہوتی، اس کی وجہ سے فرد پر ہر وقت ضد کی نفسیات غالب رہتی ہے، جو فرد کو دوسروں سے الجھائے رکھتی ہے، باطنی نفسیات کی خاصیت ہے کہ وہ اپنی بالادستی چاہتی ہے، فرد اس سے کم پر تیار نہیں ہوتا، باطنی بیماریاں چونکہ اندر میں موجود ہوتی ہیں وہ بظاہر نظر نہیں آتی، اس لئے فرد کو محسوس نہیں ہوتا کہ اسے نفس کی صورت میں کتنی ہولناک قوت سے مقابلہ درپیش ہے۔

باطنی بیماریوں کی یہی نفسیات ہے جو فرد کی دنیاوی زندگی میں بھی زندگی کے ہر موڑ پر لوگوں سے ٹکراتی ہے، حالت انتشار میں مبتلا کرتی ہے اور اس کے سکون کو غارت کرتی ہے تو آخرت کی زندگی میں بھی اسے شدید رسوائی اور عذاب سے دوچار ہونا ہوگا۔

باطنی بیماریوں میں ایک ایک بیماری ایسی ہے کہ اگر اس سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے زندگی بھر مجاہدوں سے کام لینا پڑے تو سستا سودہ ہے۔



تزکیہ نفس جسے قرآن نے فیصلہ کن اہمیت دی ہے، وہ یہی ہے کہ فرد باطنی بیماریوں سے بچکر اپنے آپ کو مہذب بنانے کے لئے کوشاں ہو اور اللہ کی زمین پر اللہ کے مخلص بندے کی حیثیت سے زندگی گزارنے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہو، ایسا فرد ہی دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی اللہ کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوگا۔

یہ المناک بات ہے کہ اس دور میں باطنی بیماریوں کا ادراک اور شعور ہی سلب ہو گیا ہے، حالانکہ فرد کی ساری انسانیت اسی سے وابستہ ہے کہ اس کا تزکیہ ہو اور وہ نفس کو پاکیزگی کے مراحل سے گزارے۔

باطن کی وسیع دنیا سے خیالات کی طوفانی لہریں ابھرتی رہتی ہیں، جو فرد کو بہا کر لے جاتی ہیں۔

مسلم نفسیات کے ماہروں کا کہنا ہے کہ باطنی بیماریوں کی موجودگی میں فرد اپنے متعلقیں اور ملک وملت کو جتنا بھی نقصان پہنچائے وہ کم ہے، اس لئے کہ اس صورت میں نفس میں مفادات، احساس بالاتری اور حب مال کی جنگ جاری رہتی ہے، نفس نامراد پوری دنیا کی دولت ملنے پر بھی مطمئن نہیں رہتا، اس کی حرص وہوس کے جذبات بڑھتے ہی رہتے ہیں۔

باطن کی اصلاح ہوتی ہے تو اس سے اعمال میں بھی بہتری آتی ہے اور اخلاق پاکیزہ ہونے لگتے ہیں اور لوگوں سے تعلقات ومعاملات میں بھی خوشگواری پیدا ہوتی ہے اور سلیقہ انسانیت سے بہرہ وری ہوتی ہے اس لئے باطن کی اصلاح کا مطلب پوری شخصیت کی اصلاح ہے، باطن اگر کدورتوں سے بھرا ہوا ہے تو شخصیت ویران سی نظر آنے لگتی ہے اور اس سے خوشی غائب ہونے لگتی ہے۔

بدقسمتی سے اس دور میں یہ نکتہ نظر انداز ہوا ہے کہ ذہنی اور نفسیاتی بیماریاں جو فرد کو معطل کر دیتی ہیں، وہ نفس ہی کی پیداوار ہے، ان کا علاج نیند آور گولیاں یا محض اچھے جملوں کا تکرار نہیں، اگرچہ اس سے بھی کچھ نہ کچھ فائدہ ہوتا ہے، لیکن نفس جیسی ہولناک قوت کو

مہذب بنانا ذکر و فکر کے مجاہدوں کے ذریعے ہی ممکن ہے، اس کی دوسری صورت موجود نہیں ہے۔

حدیث شریف ہے کہ مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کی اطاعت کی اور اس کے لئے نفس کے خلاف جہاد کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفس کے خلاف مجاہدوں کے بغیر اطاعت آسان نہیں ہوتی۔

خوش قسمت ہیں وہ افراد، جو اللہ کی دی ہوئی مہلت یعنی عمر کو خود احتسابی اور مجاہدوں کے ذریعہ باطنی اصلاح کے کام میں صرف کرتے ہیں، اور پھر اپنی شخصیت کا جائزہ بھی لیتے رہے ہیں کہ وہ اسلامی تعلیمات سے ہمہ آہنگ ہوئی ہے یا نہیں۔

باطنی اصلاح کی کوششوں میں جب توجہ الی اللہ کا ملکہ غالب ہونے لگتا ہے تو فرد کا کام بن جاتا ہے، درمیانی عرصے میں کبھی نفس غالب ہوتا ہے تو کبھی رحمانی قوتیں۔ فرد زیر و زبر کی حالت میں رہنے لگتا ہے، یہ حالت اس اعتبار سے قابل قدر ہے کہ فرد نفس کے ساتھ حالت جنگ میں ہے، اور اسے مات دے کر اللہ کی طرف بڑھنے لگتا ہے، اللہ کو نفس کے خلاف بندے کے یہ مجاہدے (گر کر پھر اٹھتے رہنے کی حالت) عزیز ہے، اس لئے کہ اس مد و جزر کی حالت سے فرد نفس کی قوت کو مفتوح کر کے اسے مکمل طور پر اللہ کے تابع بنانے کے قابل ہوتا ہے۔



# شہرت کی نفسیات

شہرت کی نفسیات ایسی ہے، جس پر ذہین و باصلاحیت لوگ مر مٹتے ہیں، شہرت دینی خدمات کے نام پر ہو، علمی کمالات کی وجہ سے ہو یا تحریری و خطابی صلاحیت کی بنا پر، فرد کو غرض شہرت سے ہے، وہ کسی بھی طرح سے حاصل ہو۔

شہرت سے فرد میں احساس برتری پیدا ہوتا ہے، ساتھ ساتھ لوگوں کی طرف سے داد و تحسین ملتی ہے اور عزت حاصل ہوتی ہے، جس سے نفس خوشی سے سماتا نہیں ہے، شہرت، اعمال کو اس طرح غارت کرتی ہے کہ وہ اعمال وبال کی صورت بن جاتے ہیں۔ اعمال کی حیثیت یہ ہے کہ وہ اللہ کے لئے ہونے چاہئے، جب کہ شہرت میں فرد اعمال اپنی ذات کے لئے کرنا چاہتا ہے، تاکہ معاشرے میں اسے عزت حاصل ہو اور اسے داد ملے۔

شہرت کی بیماری نفس کی قوتوں کو نہ سمجھنے یا ان سے بے نیازی کا نتیجہ ہوتی ہے، موجودہ دور میں سوشل میڈیا نے ہر باصلاحیت فرد کو شہرت اور داد و تحسین کے مواقع دیئے ہیں، جس سے لوگ پوری طرح استفادہ کر رہے ہیں اور اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کے لئے کوشاں ہیں، اب اخبارات کا دور نہیں کہ بیانات کے ذریعہ شہرت حاصل کی جائے، بلکہ اب سوشل میڈیا کا دور ہے کہ مفت میں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ کر ان سے اپنی علمیت و ذہانت کا لوہا منایا جائے۔

شہرت ایسی چیز ہے جس سے مفت میں اپنی زندگی بھر کے اعمال کو غارت کرنا ہے اور آخرت میں خالی ہاتھ ہو کر سزا بھگتنی ہے، دیکھا گیا ہے کہ بعض اچھے خاصے دینی مزاج کے حامل افراد شہرت کی وجہ سے اپنی ذات کو مرکز بنائے ہوئے ہیں، ان کو دوسری ساری معاصر شخصیتوں میں خرابیاں ہی خرابیاں نظر آتی ہیں، جب کہ اپنی شخصیت ہر اعتبار سے صاحب کمال نظر آتی ہے، اس روش کی وجہ سے مسلمہ شخصیتوں تک کا اعتماد و مجروح ہوتا ہے۔

شخصیت کی اگر اصلاح اور اس کا تزکیہ نہ ہو تو فرد اپنی شخصیت کے بت کو نمایاں کرنے لگتا ہے، اور اپنی ساری ذہنی و علمی صلاحیتیں اس مقصد کے لئے استعمال کرنے لگتا ہے۔

ایک حدیث شریف ہے کہ ہلاک ہو وہ شخص جس کی طرف اس کی شہرت کی وجہ سے انگلیاں اٹھنے لگیں۔ سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے بچالے۔

ایک دوسری حدیث شریف ہے کہ دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیئے جائیں تو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے، جتنا مال کی (محبت) اور شہرت کی طمع۔

شہرت سے بچنے کی ضرورت ہے کہ اس کا خصوصی اہتمام ہو اور اس کے لئے نفس کے خلاف مجاہدے ہوں، نفس کی ساخت ایسی ہے کہ وہ مجاہدوں کے بغیر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا، علم اور ذہانت عام طور پر اس کی خواہشات کو مہمیز کر دیتے ہیں۔

وہ بزرگ خوش نصیب ہیں جو شہرت حاصل کرنے کے لئے مصنوعی طریقے اختیار نہیں کرتے اور مرید بنانے سے بے نیاز ہیں اور اپنی عافیت اس میں سمجھتے ہیں کہ وہ گوشہ نشیں ہوں، دیکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی شخصیتوں سے بے نفسی و للہیت کے فیض کو فروغ دیتے ہیں۔



# حقیقی عشق سے دوری کی نفسیات

موجودہ دور معنوی اور حقیقی عشق سے دوری کا دور ہے، جس کا نتیجہ مادی حسن پر فریفتگی کی صورت میں ظاہر ہوا ہے، حقیقی عشق سے محرومی کا نتیجہ اس کے علاوہ کچھ اور نکل ہی نہیں سکتا۔

معنوی عشق روح کو مادی دنیا سے اٹھا کر آسمان پر لے جاتا ہے، معنوی عشق سے جسم وجان میں وہ توانائی حاصل ہوتی ہے، جو کسی دوسرے طریقے سے ممکن نہیں، اس سے اللہ کے لئے جینے اور مرنے کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے، عشق سے محرومی کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ریگستاں میں پانی کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہو، ظاہر ہے اس کا نتیجہ موت ہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

حقیقی عشق آب حیات ہے، جس سے فرد نئی توانائی کے ساتھ محبوب حقیقی سے وصال کی صورت میں زندہ رہتا ہے۔

معنوی عشق سے محرومی سے روح کو نفس کی معیت حاصل ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے روح کی حالت پست ہو جاتی ہے اور اس کی پرواز رک جاتی ہے، اور فرد سراپا مادیت سے عبارت ہونے لگتا ہے۔

انسانی سطح کا بحران ہو یا قومی سطح کا، اس بحران کا بنیادی سبب یہ ہے کہ انسانی شخصیت میں دل اور روح کی محبوب حقیقی کے لئے جو تڑپ اور بے چینی موجود ہے، مادی دنیا کو مقصود بنانے کی وجہ سے اس کی تسکین کے سارے راستے بند کر دیئے گئے ہیں، اس کی تسکین کی صورت حقیقی عشق کے ذریعے ہی ہو سکتی تھی، بد قسمتی سے موجودہ دور میں حقیقی عشق سے سرکشی کی ایسی نفسیات پیدا ہو گئی ہے کہ اس کا نام سنتے ہی ضد کی حالت پیدا ہونے لگتی ہے۔

مادی حسن اور مادی دنیا کی فریفتگی فرد کی توانائیوں کو اس طرح نچوڑ لیتی ہے کہ فرد میں پاکیزہ مقصد کے لئے سرے سے توانائی ہی باقی نہیں رہتی، بلکہ اس کی امنگ ہی ختم ہو جاتی ہے، یہ انسانیت کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ وہ اپنے محبوب حقیقی سے والہانہ محبت کرنے کے لئے تیار نہیں، اس کے پاس دنیا کے سارے کاموں کے لئے وقت ہے، لیکن معنوی عشق کے لئے وقت نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی تو عشق سے ہی بنتی ہے، اور عشق سے محرومی سے بگڑتی ہے۔

اقبال عشق کی اہمیت ظاہر کرتے کہتا ہے۔

علم ہے ابن الکتاب
عشق ہے ام الکتاب



# نیکی اور نیکوکاری کی نفسیات

نیکی اور نیکوکاری کی نفسیات جب پختہ ہو جاتی ہے تو بُرائی سے بچنے اور نیکی کو سرانجام دینے میں آسانی ہوتی ہے، نیکی کی نفسیات آہستہ آہستہ پختہ ہوتی ہے، جب پختہ ہوتی ہے تو وہ زندگی کا حصہ بن جاتی ہے۔ یہ بھی اہم حقیقت ہے کہ ہر نیکی اپنے ساتھ دوسری نیکیاں بھی لاتی ہے، یعنی ایک نیکی سے دوسری نیکیاں سرانجام دینے کا جذبہ اور لگاؤ پیدا ہوتا ہے، اسی طرح ایک بُرائی سے دوسری بُرائیوں کے لئے راستہ کھلتی ہے۔ یعنی طبیعت دوسری بُرائیوں کی طرف راغب ہونے لگتی ہے، جب بُرائیوں کی عادت پختہ ہو جاتی ہے تو اس سے جان چھڑانا از حد دشوار ہو جاتا ہے۔ اس لئے بُرائی سے بچنے کے بارے میں حساسیت کا ہونا از حد ضروری ہے، بُرائی ہو جائے تو بر وقت متنبہ ہو کر توبہ کرنا چاہئے۔ دوسری صورت میں حجابات پیدا ہو جاتے ہیں، جس سے بالآخر دل پر مہر لگ جاتی ہے، مہر لگنا یہ بُرائی کا آخری نتیجہ ہوتا ہے، پہلے فرد کو سنبھلنے کا موقعہ دیا جاتا ہے، جب وہ بُرائی سے باز آنے کے لئے تیار نہیں ہوتا تو مہر لگ جاتی ہے، جس کی علامت یہ ہے کہ دل بُرائی کو چھوڑنے کے لئے کسی طرح آمادہ نہیں ہوتا اور بُرائی اور اس کا ماحول اس کا احاطہ کرنے لگ جاتا ہے۔

بعض بُرائیاں ایسی ہیں جو وبال ہیں مثلاً نماز نہ پڑھنا، اس سے اللہ سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے، یا دوسروں کی دل آزاری اور تحقیر کرنا، حدیث شریف میں ہے جو شخص کسی مسلمان کی ٹوہ میں لگ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ٹوہ میں لگ جاتا ہے، جس کے پیچھے اللہ تعالیٰ لگ جاتا ہے اسے رسوا کر دیتا ہے، چاہے وہ اپنے گھر میں ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح دوسری حدیث ہے جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل کرے گا تاکہ لوگوں میں اس کی شہرت ہو تو اس کے عیب کو اللہ تعالیٰ مشہور کر دے گا اور قیامت کے دن اسے رسوا کرے گا۔

نیکی اور نیکوکاری کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے فرد دینداری میں آگے بڑھنے لگتا ہے، اس کے سینے کو نیکوکاری کے لئے کھول دیا جاتا ہے۔

بعض نیکیاں ایسی ہوتی ہیں جس سے فرد کی ایمان ویقین کی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی ہے، اور دل میں مزید نیکیوں کی امنگ پیدا ہونے لگتی ہے، مثلاً مستحق افراد یا دینی اداروں کی دل کھول کر اعانت کرنا، اس سے دنیا کی محبت (جو ساری بُرائیوں کی جڑ ہے) وہ دل سے نکل جاتی ہے، یا اللہ تعالیٰ اس شخص کی عزت میں اضافہ کرتا ہے جو لوگوں سے عفو ودرگزر سے کام لیتا ہے (حدیث شریف) اسی طرح جو جھگڑا چھوڑ دیتا ہے، اس کے لئے بشارت ہے اگر ناحق پر ہونے کے باوجود تو اس کے لئے جنت کے کنارے پر گھر بنایا جائے گا، جو شخص حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے تو اس کے لئے جنت کے درمیان گھر بنایا جائے گا، یا جو عاجزی اختیار کرتا ہے، اللہ اس کا رتبہ ودرجہ بلند کر دیتا ہے۔ یعنی عاجزی کے حامل فرد کے درجات بلند کر دیتے ہیں۔

یہ بعض نیکیوں کی خصوصیات بیان فرمائی گئیں ہیں، لیکن یہ نیکیاں ایسی ہیں جو آسان نہیں ہیں، بہت مشکل ہیں، جب نیکی کا مزاج پختہ ہو جاتا ہے تو اس طرح کی نیکیوں کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔

نیکیوں کے مزاج اور نفسیات کو پختہ کرنے کے لئے اللہ سے تعلق کو مستحکم کرنا پڑتا ہے، جس میں ذکر غیر معمولی طور پر معاون ثابت ہوتا ہے، ولذکر اللہ اکبر (اللہ کا ذکر بہت بڑی سعادت ہے) اس کی تشریح کرتے ہوئے ایک ممتاز مفسر قرآن نے لکھا ہے کہ ذکر اللہ سے بڑھکر کوئی عبادت نہیں، یوں وقتی طور پر کوئی عمل ذکر اللہ سے سبقت لے جائے، وہ دوسری بات ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس عمل میں فضیلت ذکر اللہ کی بدولت آئی ہے۔



# علماء وصلحاء کی صحبت سے دوری کی فضا

## اور اس کے اثرات

یہ ایک مسلم بات ہے کہ دینی، مذہبی اور اخلاقی زندگی علماء وصلحاء کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے، کتابوں سے ذہن بنتا ہے، جب کہ دینی رنگ صحبت سے چڑھتا ہے، ماحول کتنا ہی خراب کیوں نہ ہو لیکن اگر علماء وصلحاء سے محبت کا تعلق مستحکم ہو تو ماحول کے اثرات کا آسانی سے مقابلہ ہو سکتا ہے، اس لئے کہ طاقتور پاکیزہ صحبت نفس کی سرحدوں کو عبور کر کے دل اور روح کا احاطہ کر لیتی ہے اور اسے مستحکم کرتی ہے، بدقسمتی سے موجودہ دور میں علماء وصلحاء کی صحبت ہی ہے، جس سے نہ صرف بے نیازی کی حالت موجود ہے، بلکہ علماء وصلحاء سے کدورت کی فضا پیدا ہو گئی ہے، یقیناً بعض علماء وصلحاء کی بہتر حالت نہیں ہے، وہ عالم تو ہیں لیکن ان میں شدت پسندی اتنی موجود ہے کہ وہ اپنے گروہ کے علاوہ دوسروں کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں، دوسروں کے خلاف ان کی زبان تیز تر ہوتی ہے، ان میں برداشت کا مادہ نہ ہونے کے برابر ہے، بعض بزرگ بزرگی کے نام پر دولت سے کھیلتے ہیں، اور دنیا ان کا ہدف ہو گئی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایسے علماء اور صلحاء بھی کافی مقدار میں موجود ہیں جو علم وفضل اور کردار کے حامل ہیں، جو لوگوں کی دنیا وآخرت بنانے کے لئے متفکر رہتے ہیں، بدقسمتی سے عام طور پر ایسے علماء کے مراکز خالی رہتے ہیں، ان سے روحانی فیض حاصل کرنے کے لئے آمادگی ہی نہیں ہے۔

علماء وصلحاء سے جتنی زیادہ دور ہوگی، افراد پر اسی قدر نفس پرستی کا رنگ غالب ہوگا۔

اللہ کی یہ سنت ہے کہ فرد صحبت سے ہی سیکھتا بھی ہے تو بگڑتا بھی ہے، صالح صحبت سے نیکی کے رجحانات فروغ پذیر ہوتے ہیں اور زندگی بننا شروع ہو جاتی ہے، خراب صحبت سے نفس کی قوت طاقتور ہونا شروع ہو جاتی ہے اور مادی دنیا پر فریفتگی ہونے لگتی ہے۔

آج کل لوگ بہت پریشان ہیں، سخت ذہنی دباؤ کا شکار ہیں اور نفسا نفسی کی حالت غالب ہے، سبب یہ ہے کہ مادہ پرستی کا ماحول غالب ہے، علماء وصلحاء کی صحبت کا ماحول مفقود ہے، مفقود کا مطلب یہ ہے کہ علماء وصلحاء تو موجود ہیں، لیکن ان سے استفادہ کے لئے آمادگی نہ ہونے کے برابر ہے۔

# اسلامی تہذیب میں ذکر کی اہمیت

## ذکر کے بغیر شخصیت کا تاریک اور کردار سے بے بہرہ ہونا

مغربی تہذیب میں توحید کا عقیدہ نہ ہونے کی وجہ سے اہل مغرب خیر کے سب سے بڑے ذریعے سے محروم ہیں، اور خیر کی سرچشمہ ہستی سے دور ہیں، ہر شخص کی زندگی مسائل اور بحرانوں سے عبارت ہے، اس زندگی کے ہر موڑ پر طاقتور سہارے کی ضرورت درپیش ہوتی ہے، یہ طاقتور سہارا اللہ کی ذات ہی ہے، اللہ سے بغاوت کے بعد یہ مادی اسباب ہی ہیں جن کو سہارا بنالیا جاتا ہے، لیکن مادی اسباب سے انسانی شخصیت کی بے قراری اور اضراب کہاں دور ہو سکتا ہے؟

اسلامی تہذیب میں توحید کا عقیدہ ہونے کی وجہ سے زندگی کے ہر موڑ پر اللہ کو یاد کیا جاتا ہے، جس سے فرد اور افراد کو سب سے طاقتور سہارا مل جاتا ہے، ذکر کا نور فرد و افراد کو ہر وقت مستحکم رکھنے میں کردار ادا کرتا ہے۔

انسانی شخصیت کا ایک سرا مادہ اور مادی لذتوں سے متعلق ہے تو دوسرا سرا الٰہی قوت سے وابستہ ہے، الٰہی قوت سے رابطہ منقطع کرنے کے نتیجے میں انسانی شخصیت بے بسی اور بے چارگی کا منظر پیش کرنے لگتی ہے، اس کی اس بے بسی کی حالت کو مادہ کی بڑی سی بڑی قوت بھی دور کرنے سے قاصر رہتی ہے، یہ عملی مشاہدہ کی بات ہے، ایسے لوگ ہر اعتبار سے قابل رحم ہیں، وہ افراد جو الٰہی قوت سے اپنا رابطہ مستحکم رکھتے ہیں، ان کی روح اور پوری شخصیت مطمئن رہتی ہے اور وہ خوشی و مسرت سے سرشار رہنے لگتے ہیں، مزید تفصیل بیان کی جائے تو اس طرح کہا جاسکتا ہے۔

اسلامی تہذیب کی بنیاد عقیدہ توحید پر ہے، سارے انبیاء کرام کی دعوت یہی تھی، عقیدہ توحید کا استحکام ذکر کے نور سے وابستہ ہے، ذکر کی کثرت سے ہی فرد عقیدہ توحید کا مظہر بن جاتا ہے، ذکر سے فرد سر تسلیم خم کر دیتا ہے، کردار جس سے عملی زندگی میں شخصیت کا اظہار ہوتا ہے، وہ کردار بھی ذکر سے ہی بنتا ہے، ذکر کے بغیر کردار بن ہی نہیں سکتا، بے کردار فرد اسلام



کا ترجمان، نمائندہ یا داعی بن ہی نہیں سکتا، بنے گا تو اپنی بے کرداری اور اخلاق سے عاری رویے سے لوگوں کو قریب کرنے کی بجائے مزید دور کرے گا۔

ذکر شخصیت کو صاف ستھرا اور اجلا بنا دیتا ہے، صاحب ذکر فرد صاحب اخلاق بھی ہوتا ہے، اس سے پاکیزہ اخلاق صادر ہوتا ہے، علم اور دعوتی کام کے ساتھ اگر ذکر نہیں ہے تو ایسا فرد نہ تو اپنی ذات کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی دوسروں کے لئے، پھر ذکر کے بغیر حکمت اور فراست کی استعداد بھی حاصل نہیں ہوتی، دینی و دعوتی کام کے لئے ہر موڑ پر حکمت و بصیرت کی ضرورت درپیش ہوتی ہے، یہ بصیرت کثرت ذکر کے نور سے ہی پیدا ہوتی ہے۔

کثرت ذکر سے شخصیت کا ڈھانچہ پاکیزہ بنیادوں پر بدلے بغیر صالح زندگی بھی وجود میں نہیں آتی، ایسے دعوتی کام کے لئے کتنی ہی صلاحیتیں اور الفاظ کا کتنا ہی قیمتی ذخیرہ صرف کیا جائے، اس سے نہ صرف یہ کہ دلیں تبدیل نہیں ہوتی، لوگوں پر اثرات نہیں ہوتے، بلکہ وہ داعی کے کردار کے تضادات اور حکمت سے محرومی کی وجہ سے ان سے دور ہی ہوتے ہیں۔

دعوت کے کام کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اپنے نفس کو دعوت دی جائے، اسے کثرت ذکر کے نور سے سدھارا جائے، مہذب بنایا جائے، صالح بنے بغیر مصلح یعنی دوسروں کی اصلاح کے مقام پر فائز ہونا، اکثر مضر ہی ثابت ہوتا ہے، فرد کا نفس ایسی الجھنوں اور پیچیدگیوں سے عبارت ہے کہ وہ علم، ذہانت، الفاظ کے قیمتی سے قیمتی ذخیرہ اور دعوتی کام سے اپنی کدورتوں اور نفس پرستی کے مظاہر سے باز نہیں آتا۔

دوسروں کی اصلاح کا کام اسی فرد کو سجتا ہے جو کثرت ذکر کے نور سے نفس کے مکر وفریب کی ہزارہا واردات سے آشنا ہو کر نفس کو قابل ذکر حد تک مہذب بنانے میں کامیاب ہو چکا ہو، اس کی علامات میں سے صبر، تحمل، نرمی، معافی، دوسروں کی طرف سے اشتعال دلانے کے باوجود اشتعال میں نہ آنا، دوسروں سے مفادات وابستہ نہ کرنا، ہر طرح کے حالات میں چھوٹے پن کی حالت میں رہنا وغیرہ شامل ہے۔

اس طرح کا کردار ہی ہے، جو اسلام کو مطلوب ہے، دعوت و اصلاح کا کام بھی اسی طرح کے فرد ہی کو سجتا ہے۔

اور ذکر کے لئے صاحبان ذکر کی صحبت ناگزیر ہے، ان کی صحبت سے ہی ذکر کا رنگ چڑھنے لگتا ہے۔

اس دور کا المیہ ہے کہ جس ذکر سے کردار پیدا ہوتا ہے، اغراض اور مفادات سے بلندی کی حالت پیدا ہوتی ہے، اس ذکر کی سرے سے اہمیت ہی باقی نہ رہی ہے، مدارس اور دینی شخصیات میں اس ذکر کا اجتماعی اہتمام نہ ہونے کے برابر ہے، تعلیم اور تعلیم ہی سب کچھ ہے، حالانکہ تعلیم سے ذہن بنتا ہے، جب کہ ذکر سے دل کی دنیا تبدیل ہوتی ہے۔

موجودہ دور میں مادیت پرستی کی قوتوں نے انسانیت کا اس قدر گھیراؤ کیا ہے اور اس کے دل اور روح کو مردہ بنانے کا اتنا کردار ادا کیا ہے کہ بالخصوص اس دور میں افراد کا ذہنی اور مزاجی توازن ذکر کے بغیر پیدا ہی نہیں ہو سکتا، یہ ایسی اٹل حقیقت ہے جس کا ہر جگہ مظاہرہ ہو رہا ہے۔

ذکر سے جہاں کردار بنتا ہے، وہاں ذہنی خلفشار اور فکری انتشار سے بچاؤ کی صورت بھی پیدا ہوتی ہے، اس دور میں فکری انتشار سے بچ کر ذہن کا صحیح وسالم حالت میں ہونا یہ بہت بڑی سعادت ہے، جو اہل ذکر کو ذکر کے ماحول سے وابستہ رہنے کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے، ذکر سے محرومی فرد کو نیم پاگل پن کی حالت سے دوچار کر لیتی ہے۔

اس حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اکثر لوگوں کی حالت انتہائی قابل رحم ہو جاتی ہے، نہ بولنے کا سلیقہ، نہ معاملات کو سلجھانے کا سلیقہ، نہ اہل خانہ اور دوستوں کی دل جوئی کا طریقہ، یہ سب باطن کی وسیع دنیا سے بے بہری کا نتیجہ ہے، یہ ذکر ہی ہے، جو فرد کو اس طرح کے سارے بحرانوں سے کا کردار ادا کرتا ہے۔

**ومن یعرض عن ذکر ربہ یسلکہ عذابا صعدا** ( جو رحمان کے ذکر سے اعراض کرے گا (منہ موڑے گا) اسے سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری حالت زار پر رحم فرمائے اور ہمیں اپنے ذکر کی راہ نصیب فرمائے۔(آمین)



# اشتعال کی نفسیات

## معاشرے کے بڑے روگ کی نشاندہی

اشتعال کی نفسیات ایسی ہے جس میں لگ بھگ ہر فرد مبتلا ہے، کوئی کم یا زیادہ۔ اشتعال کی وجہ سے معاملات سنورنے کے بجائے بگڑتے رہتے ہیں، اس سے گھروں، اداروں، دوستوں اور ساتھیوں میں جدائی اور دوری پیدا ہو جاتی ہے، اشتعال کی بیماری ایسی ہے، جو فرد کی سو خوبیوں کو غارت کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے، اشتعال کی نفسیات کی وجہ سے اچھے خاصے اداروں کو ٹوٹتے ہوئے دیکھا گیا ہے، اشتعال دولت، منصب، ذہانت اور علمیت سے زیادہ آتا ہے، اگرچہ عام لوگ بھی اشتعال سے محفوظ نہیں ہیں، لگ بھگ ہر گھر میں اشتعال کی وجہ سے ناچاقی اور تلخیوں کی فضا موجود ہے۔

مذہبی افراد ہوں یا غیر مذہبی افراد، سب میں یہ بیماری کسی نہ کسی حد تک موجود ہے۔

اشتعال کے وقت فرد آپے میں نہیں رہتا، اس کی زبان سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں جس کی وجہ سے دوسروں کی شدید دل آزاری ہوتی ہے، کہتے ہیں جسمانی زخم تو جلد صحیح ہو جاتا ہے لیکن زبان سے نکلے والے تیر کا اثر زیادہ عرصے تک یاد رہتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا، میں اخلاص حسنہ کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں دوسری حدیث میں فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو دوسروں کے حق میں بہتر ہو۔ اخلاق حسنہ کی بنیاد صبر، تحمل، بردباری، معافی، نرمی، محبت، عاجزی، صلح اور خیر سگالی سے رہنے کی استعداد اور باہمی معاملات میں بہتری وغیرہ پر ہے۔

جب تک اشتعال کی نفسیات موجود ہے، تب تک اخلاص حسنہ پیدا نہیں ہو سکتے، اشتعال کی نفسیات اخلاق حسنہ کو غارت کر دیتی ہے۔

اشتعال سے بچنے کی سب سے بہتر اور مؤثر صورت یہ ہے کہ اللہ کے ذکر کے ذریعے نفس کی قوت کو قابو کرنے کی کوشش کی جائے، ذکر کا نور رفتہ رفتہ نفس کی قوت کو لگام دے گا، اور اسے پامال کرے گا۔

مذہبی لوگوں اور دینی اداروں سے وابستہ لوگوں میں جب تک ان کے اپنے کردار میں خوشبو پیدا نہیں ہوگی، تب تک نہ تو وہ اپنی ذات کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں اور نہ ہی افراد معاشرہ کو اپنے قریب کر سکتے ہیں، اس صورت میں ان کا سارا دعوتی کام اشتعال کی نفسیات کی نذر ہوتا رہے گا۔

اس لئے ہمیں خوشبوئے کردار کے کام کو سب سے زیادہ ترجیح دینی ہوگی، یہ کام روایتی مذہبی رسوم سے پیدا نہیں ہوگا، بلکہ اللہ کے ذکر پر دل جمعی سے محنت سے پیدا ہوگا۔

آخر میں اشتعال کے نقصانات پر ایک نظر ڈالتے ہیں، •دلوں میں نفرت و کدورت پیدا ہوتی ہے۔ •ذہن کافی دیر تک بدلہ لینے کی تدابیر میں لگا رہتا ہے، •مزاج میں توازن پیدا نہیں ہو پاتا• ساتھ مل کر کام کرنے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے، •معاشرے میں ٹوٹ پھوٹ پیدا ہوتی ہے۔

اشتعال کی نفسیات کس طرح کام کرتی ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اگر ایک فرد استاد ہے تو وہ طلبہ کی تھوڑی تھوڑی بات پر پٹائی کرنے لگتا ہے، یہ اسے اپنا حق سمجھتا ہے اور ایسا کرنا اس کا معمول بن جاتا ہے، اگر ایک فرد آفیسر ہے تو وہ اپنے ماتحتوں کی ڈانٹ ڈپٹ کر کے ان کی تذلیل کرتا رہتا ہے، اگر ایک فرد گھر کا سربراہ ہے تو وہ غصہ سے بے قابو ہو کر گھر میں سب کو اپنی زبان درازی کی وجہ سے مضطرب رکھتا ہے۔ یہ اشتعال کی نفسیات کے حامل افراد کے روزمرہ کے حالات ہیں۔

اشتعال کی اس نفسیات سے اصلاح اور تعمیر کا کام تو ہرگز نہیں ہو سکتا، البتہ متعلقہ افراد میں ضد اور ردعمل کی نفسیات پیدا ہو جاتی ہے۔

اشتعال کی نفسیات میں کچھ نہ کچھ بڑے پن کے جذبات بھی کارفرما ہوتے ہیں، جس سے فرد اپنے ماتحتوں پر اپنی تحکمانہ شان قائم رکھنے کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔

ہمیں ہر طرح کے حالات میں نرمی اور محبت سے کام لینے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

حدیث شریف ہے کہ جو نرمی سے محروم ہے وہ سارے خیر سے محروم ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اشتعال کی حالت سے بچائے۔



# خدمت اور عاجزی کی صفات

## اور ان کے اثرات

خدمت اور عاجزی اور عاجزانہ روش یہ دونوں ایسی صفات ہیں، جو بے شمار فوائد کی حامل ہیں، مثلاً اس سے درجات کی بلندی کی صورت پیدا ہوتی ہے، شخصیت میں نکھار پیدا ہوتا ہے، ایسے شخص کی بات میں تاثیری صلاحیت پیدا ہوتی ہے، ایسا شخص اگر غیر مسلموں کے ماحول میں رہتا ہے تو خدمت اور عاجزی کی بدولت وہ ان کا دل جیتنے اور انہیں اسلام کے قریب کرنے کا ذریعہ بنتا ہے، اس دور میں بہت سارے غیر مسلم بعض مسلمانوں کی ان صفات سے متاثر ہو کر اسلام میں داخل ہوئے۔

خدمت اور عاجزی کی صفات کا مطلب یہ ہے کہ فرد اپنی شخصیت کو مٹا کر اللہ کے لئے جینے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہے۔

بزرگوں کے ہاں اصلاح نفس (سلوک) کی تکمیل کا معیار جذبہ خدمت اور عاجزانہ مزاج ہی کو سمجھا جاتا ہے، اس لئے بزرگ جب کسی کو خلافت دیتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ خدمت خلق کو معمول بنائیں اور لوگوں کو ہر وقت دستیاب ہوں اور بزرگوں کی اپنی حالت بھی یہی ہوتی ہے۔

عبادت سے جو درجات حاصل ہوتے ہیں، اللہ کے لئے دوسروں کی خدمت سے بھی وہی درجات حاصل ہوتے ہیں، خدمت کے کام سرانجام دینا اور اپنی شخصیت کو مٹا کر دوسروں سے فروتنی سے پیش آنا اور اپنی شخصیت کے اکڑفوں سے دستبردار ہونا آسان کام نہیں ہے، یہ غیر معمولی مجاہدوں کا متقاضی ہے، نفس اپنی شخصیت کو بلند مقام پر فائز ہونے سے دستبردار ہونے اور دوسروں کے لئے قربانی دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا، اس لئے نفس کو مجاہدوں کی بھٹی سے گزارنا پڑتا ہے۔

جس معاشرے میں ان صفات کے حامل افراد کافی مقدار میں رہتے ہوں، وہ معاشرہ ہر طرح کے بحرانوں سے بچ کر خیر و برکت کے معاشرہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

قرون اولیٰ میں دنیا بھر میں اسلام کے پھیلنے کا بنیادی سبب یہی تھا کہ مسلمانوں میں یہ دونوں صفات اعلیٰ درجہ تک موجود تھی، موجودہ دور میں ان صفات سے محرومی کا نتیجہ ہے کہ ہمارا معاشرہ زبوں حالی اور نفسا نفسی سے دوچار ہے اور کوئی کسی کا پرسان حال نہیں ہے۔

ہمیں اپنی حالت زار پر رحم کھانا چاہئے اور ان انسانی صفات سے بہرہ ور ہونے کے لئے کوشاں ہونا چاہئے۔

خدمت اور عاجزی یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں، جن کی روزمرہ زندگی میں ضرورت درپیش ہوتی ہے، کسی کو مالی مدد کی ضرورت ہے تو کسی کو بہتر مشورہ کی، کسی کو پرسانِ حالی کی ضرورت ہے تو کسی کو بہتر ساتھی کی، جو اسے ڈپریشن سے بچا سکے۔

گھر اور دوستوں اور ساتھیوں میں عاجزانہ مزاج کے مظاہرے کا ہونا یہ ایسا عمل ہے جس سے معاشرہ خوشگوار ہوتا ہے۔

دوسری صورت میں معاشرے میں ٹینشن، افراتفری، کدورت و نفرت ہی پیدا ہوتی ہے، معاشرے کو نفرت اور کدورت سے بچانے کے لئے عاجزی اور عاجزانہ مزاج کا ہونا انتہائی ضروری ہے، مغربی معاشرے کے زوال پذیر ہونے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ان کے ہاں ان صفات کا فقدان ہے، یہ صفات قومی اور کاروباری اخلاق سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ نفس کو اصلاحی مراحل سے گزارنے سے پیدا ہوتی ہیں، نفس کی اصلاح کا ان کے ہاں تصور بھی نہیں، بس زیادہ سے زیادہ ذہنی تربیت ہوتی ہے، ذہنی تربیت کی حالت یہ ہے کہ وہ نفس کے سامنے ٹھہر ہی نہیں سکتی۔

ان صفات سے محرومی کی وجہ سے مغربی معاشرہ اندر سے کھوکھلا ہو چکا ہے۔ان کے ہاں قریب سے قریب عزیز اور دوست اگر بیمار ہو جاتا ہے تو کوئی ان سے پوچھنے والا نہیں ہوتا، بوڑھے ماں باپ کو اولڈ ہاؤس کے حوالے کر دیتے ہیں۔

مغربی معاشرہ بے سہارا معاشرہ ہے، جب کہ ہمارے ہاں اسلامی تعلیمات کے زیر اثر اب بھی پاکیزہ صفات کسی حد تک موجود ہیں، لیکن پاکیزہ صفات میں ارتقار وحانیت سے آئے گی، جس کی ہمیں سخت ضرورت ہے۔



# مغرب میں نو مسلموں کے حالات

## اور ان کا دعوتی کام

نو مسلموں کو اسلام تک پہنچنے کے سلسلے میں جو مشکلات درپیش ہوئیں، انہیں دیکھکر ہم اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کریں (کہ اس نے ہمیں مسلمان گھرانے میں پیدا کیا) کم ہے۔

نو مسلموں کے حالات سوشل میڈیا میں تفصیل کے ساتھ کئی زبانوں میں آرہے ہیں، وہ انتہائی ایمان افروز حالات ہیں، لگ بھگ ہر نو مسلم کی کہانی اس بات سے شروع ہوتی ہے کہ وہ شراب اور عورت و مرد کی مخلوط پارٹیوں میں شریک ہوتا تھا، جدید میڈیا کی اسلام کے خلاف پھیلائی ہوئی باتوں کی وجہ سے وہ اسلام سے شدید نفرت کرتا تھا اور مسلمانوں کو دہشت گرد سمجھتا تھا، ان سب کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ ان حالات کی وجہ سے شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھے، اس ذہنی دباؤ سے بچنے کے لئے انہوں نے عیسائیت، یہودیت، ہندومت وغیرہ کی کتابوں کا گہرا مطالعہ کیا، لیکن اس مطالعے نے ان مذاہب کی تعلیمات میں تضاد دیکھکر ان سے دوری اختیار کر لی، اسلام کا مطالعہ ان کے لئے اس لئے دشوار تھا کہ اسلام کے بارے میں ہمارا یہ ذہن پختہ ہو چکا تھا کہ اسلام عورت کو پسماندہ حالت میں رکھنا چاہتا ہے، دوسرے یہ کہ اسلام دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہے، لیکن اپنے ذہنی اور نفسیاتی بحران سے نکلنے کے لئے مجبوراً اسلام کا مطالعہ کرنا پڑا، بالخصوص قرآن پڑھنا پڑا، قرآن کو غور و فکر سے پڑھنے سے یوں لگا جیسے دل اور ذہن پر پڑنے والا سارا بوجھ ختم ہو گیا، اس کے بعد جب ان کا اسلام کا سفر شروع ہوتا ہے تو والدین، اہلیہ اور دوستوں کی طرف سے شدید مزاحمت شروع ہوتی ہے، گھر چھوڑنا پڑتا ہے، بیوی اور بچوں سے ہاتھ اٹھانا پڑتا ہے، دوستوں اور ساتھیوں کی سخت مخالفت مول لینی پڑتی ہے، ان سارے حالات سے گزرنے کے بعد جب کندن بن جاتے ہیں تو خدا کی مدد انہیں گھیر

لیتی ہے اور یکایک ان کے لئے حالات اس قدر ساز گار ہونے لگتے ہیں کہ انہیں گھر بھی مل جاتا ہے، نئی شادی کا انتظام بھی ہو جاتا ہے اور نئے دوست بھی ملنے لگتے ہیں۔

نو مسلم خواتین کے واقعات ایسے ہیں جو رلانے والے واقعات ہیں کہ وہ بُرائی کی دلدل میں اس قدر پھنس چکی تھیں کہ ان کے لئے اس سے نکلنے کی صورتیں بند ہو گئی تھیں ان کی آخر میں صدا یہ ہوتی ہے کہ یااللہ، اگر تو موجود ہے تو ہماری دستگیر فرما اور ہمیں اس بحران سے نکال دے۔

ان ساری خواتین اور سارے مردوں کے حالات میں جو مشترکہ باتیں ہیں، وہ یہ ہیں۔

(۱) وہ شراب کے عادی تھے (۲) جنس زدگی کا شکار تھے، (۳) مخلوط پارٹیوں میں شرکت کرتے تھے (۴) ان کی گھر سے دلچسپی ہونے کے بجائے نفس پرست دوستوں میں زیادہ وقت گزرتا تھا (۵) وہ اسلام سے یا تو شدید نفرت کرتے تھے، یا اسلام کے بارے میں بالکل لاعلم تھے (۶) وہ ذہنی انتشار کا شکار تھے (۷) وہ ایسے مادہ پرست ماحول کا حصہ تھے، جس سے نکلنا محال تر تھا۔

ان نو مسلموں کا کہنا ہے کہ جب انہوں نے قرآن پڑھنا شروع کیا تو محسوس ہوا کہ قرآن تو براہ راست ہم سے مخاطب ہے کہ تمہاری یہ حالت کیوں ہیں، اسلام کی روشنی کے باوجود تم دربدر کیوں بھٹک رہے ہو۔

ایک چیز جو ان سب نو مسلموں میں مشترکہ تھی، وہ یہ ہے کہ ان سب میں یہ طلب موجود تھی کہ وہ اس اخلاقی اور روحانی بحران اور بے قراری کی حالت سے نکلیں اور وہ حق وصداقت کی راہ پر گامزن ہوں، ان کی اس طلب نے انہیں حق کا راستہ تلاش کرنے پر مجبور کیا، اس طلب اور اس کے لئے مطلوبہ تلاش و کوشش کو دیکھکر اللہ نے ان سب پر اپنا سب سے بڑا فضل فرمایا اور انہیں اسلام کی دولت عظمیٰ عطا فرمائی۔



اس سعادت پر وہ سب نازاں ہیں اور ان میں کافی ذہین نو مسلم خواتین و مردوں نے اپنی زندگی اسلامی دعوت کے فروغ کے لئے صرف کر دی ہے، چونکہ انہیں اسلام جیسی دولت بڑی مشکلات کے بعد ملی ہے، اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ اپنے عزیز واقارب اور اپنی قوم سے وابستہ افراد کو اس نعمت سے آسانی سے بہرہ یاب کریں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد انہیں سب سے زیادہ فکر یہ رہی کہ ان کی اسلامی خطوط پر تربیت ہو اور انہیں اسلام کی ضروری تعلیمات حاصل ہوں، اس کے لئے بھی انہوں نے کافی کاوشیں کیں۔

سوشل میڈیا پر ان نو مسلموں کے دعوتی کام کی تفصیل پڑھکر بڑی خوشی محسوس ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نو مسلموں کے ذریعہ اہل مغرب کے لئے اسلام کی دعوت کا راستہ کھول دیا ہے۔

یہ نو مسلم جہاں صاحب کردار ہیں، وہاں وہ پُر جوش بھی ہیں، ایمان نے ان کی فطرت کو بیدار کر دیا ہے۔

# نماز اور قرآن کی غور و فکر سے تلاوت

## اور اس کے اثرات

نماز اور قرآن کی روزانہ غور و فکر سے تلاوت یہ ایسی چیز ہے، جس سے اللہ کا سب سے زیادہ قرب نصیب ہوتا ہے اور روحانی ارتقا بھی۔ اس لئے بزرگوں کے ہاں معمول رہا ہے کہ ان دونوں کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں، ذکر سے جب نفس کی کدورتیں بڑی حد تک دور ہو جاتی ہیں، تو اس کے بعد بزرگوں کے ہاں ذکر کی مقدار کو کم کر کے نماز اور قرآن سے اپنا زیادہ سے زیادہ تعلق استوار کرنے کا اہتمام ہوتا ہے۔

اس سے انہیں وہ نورانیت اور کامل سکون نصیب ہوتا ہے، جو کسی دوسری چیز سے حاصل نہیں ہوتا۔

**الصلوٰۃ معراج المومنین** نماز مومنوں کی معراج ہے، اس سے بڑھکر نماز کی اہمیت اور کیا ہو سکتی ہے، لیکن نماز میں خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ کا ہونا ضروری ہے، ایسی نماز ہی کامل تسکین کا موجب بنتی ہے اور ہر قسم کی بُرائی سے بچاؤ کا ذریعہ بھی۔ کثرت ذکر سے جب دل اور ذہن کی صفائی و پاکیزگی ہو جاتی ہے اور نفس کی یر غمالی سے بڑی حد تک بچاؤ کی صورت بھی تو اس کے بعد اللہ کے فضل سے اس طرح کی نماز نصیب ہوتی ہے اور نماز کے بغیر چین ہی نصیب نہیں ہوتا، پھر اللہ تعالیٰ اس طرح کے خوش نصیب لوگوں کو تہجد کی توفیق بھی نصیب فرماتے ہیں، تہجد اگرچہ نفل ہے، لیکن ایسے نفل سے جو ایک تو زندگی کو خوشیوں سے بھر دیتا ہے دوسرے یہ کہ اسلام کی راہ پر چلنا آسان بنا دیتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے لوگوں میں شامل فرمائے۔

نماز کی اہمیت غیر معمولی ہے، اس کے بغیر اسلامیت خطرے سے دوچار ہو جاتی ہے، حدیث شریف ہے جس میں نماز نہیں اس میں ایمان نہیں، دوسری حدیث شریف ہے ایمان



اور کفر میں فرق کرنے والی چیز نماز ہے قرآن میں ہے **ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر** بے شک نماز بے حیائی اور بُرائی کے کاموں سے روکتی ہے، نماز جب حقیقی نماز کی صورت اختیار کرتی ہے تو اس سے اتنی روحانی طاقت آجاتی ہے کہ فرد بُرائیوں سے رکنے لگتا ہے، یہ نماز کی خاصیت ہے، نماز پڑھنا عبدیت (بندے ہونے) کا اظہار ہے کہ بندہ اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر رہا ہے، اور نماز نہ پڑھنا ایک طرح سے اپنی عبدیت کی نفی کا اظہار ہے جو بڑی سنگین بات ہے، اس کی وجہ سے بندے کی زندگی کے سارے معاملات متاثر رہتے ہیں۔ پریشانی اسے گھیر لیتی ہے، ایسے افراد کی حالت یہ ہوتی ہے کہ زندگی میں پیش آنے والا معمولی حادثے یا معمولی مشکل ان کے دل کو زیر و زبر کر دیتی ہے۔

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلا سوال نماز کے بارے میں ہوگا۔

قرآن میں سورہ المدثر کی ایک آیت ہے کہ جنتی جھنمیوں سے پوچھیں گے کہ کون سی چیز ہے جو تمہیں جہنم میں داخل کرنے کا سبب بنی وہ کہیں گے ہم (دنیا میں) نماز نہیں پڑھتے تھے۔

نماز نہ پڑھنے کا یہ حشر ایسا ہے جس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اگر نماز نہ پڑھنے کی عادت پختہ ہو گئی ہے تو اس عادت بد سے بچاؤ کے لئے ضروری ہے کہ نماز پڑھنے والوں سے دوستانہ تعلقات قائم کئے جائیں، اس لئے کہ دوستی فرد کو کھینچ کر مسجد کی طرف لے جائے گی، نماز کی ایک خاصیت یہ ہے کہ وہ جہاں بُرائیوں سے روکنے کا ذریعہ ہے وہاں فرد کو اللہ کے ذکر کی طرف مائل کرتی ہے **اقم الصلوٰۃ لذکری**، نماز قائم کرو میرے ذکر کے لئے، مقصود ذکر ہے، نماز بجائے خود ذکر ہے لیکن یہ فرد کو اللہ کے مزید ذکر کرنے پر ابھارتی بھی ہے۔

اگر نماز سے ذکر کی حالت پیدا نہیں ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں وہ مطلوبہ توجہ نہیں ہے، جس سے دل اور ذہن اللہ کی طرف زیادہ سے زیادہ راغب ہوں، نماز کو

دھیان، توجہ اور خشوع و خضوع سے پڑھنا ناگریز ہے، اسی سے اللہ کے ذکر سے انسیت پیدا ہوگی اور زندگی بدلنا شروع ہوگی۔

حدیث شریف ہے کہ فرد دوست کے دین پر ہوتا ہے، دوسری حدیث شریف ہے کہ فرد حشر میں اس کے ساتھ اٹھے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

قرآن اللہ کی طرف سے سارے انسانوں کی ہدایت کی کتاب ہے، جو انہیں جھنجھوڑ کر اللہ کی طرف لانا چاہتا ہے، قرآن میں ہر طرح سے حق وصداقت کے پیام کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، دلائل کے ذریعے، غور وفکر کے ذریعے، سائنسی حقائق کے ذریعے، فطرت کی صلاحیتوں کو ابھارنے کے ذریعے، دل کو جگانے کے ذریعے، انکار کے آخری درجے پر فائز فرد بھی اگر غور وفکر سے قرآن پڑھے گا تو وہ قرآن کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوگا اور ایمان لائے بغیر رہ نہیں سکے گا، موجودہ دور میں سینکڑوں غیر مسلموں نے قرآن کو مخالفت کی نیت سے پڑھا، لیکن غور وفکر سے پڑھا، تو قرآن نے انہیں اپنا لیا، اور ان کے لئے ہدایت کا راستہ کھل گیا۔

تقویٰ کی نیت اور ارادہ ہو تو اور اس نیت سے قرآن پڑھ جائے تو قرآن سے ہدایت کے راستے کھلنے لگتے ہیں، فرد جوں جوں قرآن میں ڈوبنے لگتا ہے، اسی حساب قرآن ان کی زندگی کو بدلنے لگتا ہے، قرآن میں اپنی طرف کھینچنے کی جو تاثیری صلاحیت موجود ہے، وہ دنیا کی کسی کتاب میں موجود نہیں، ایک دنیا کے بڑے موسیقار نے قرآن سنا تو یہاں آکر ہماری موسیقی کی حد ختم ہو جاتی ہے، چنانچہ وہ مسلمان ہوا۔

جو بھی قرآن کو مستقل مزاجی سے پڑھے گا، قرآن اسے بہترین مسلمان کی حیثیت سے زندگی گزارنے کی صلاحیتوں سے بہرہ ور کرے گا، موجودہ دور میں ہم نے قرآن کو غور وفکر سے پڑھنا چھوڑ دیا ہے، اس کی سزا ہے کہ ہماری زندگی تضادات اور بحرانوں سے دوچار ہے اور ہم دوسری دعوتوں کے لئے نرم چارہ بن گئے ہیں اور جدید میڈیا ہمیں اپنے ساتھ بہا کر لے گیا ہے، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جدید میڈیا کے حامل افراد کو ہم قرآن کے ذریعے متاثر کرتے، الٹا ہم ان سے متاثر ہو رہے ہیں۔



ہماری زندگی قرآن سے جس قدر دور ہوگی، اسی حساب سے وہ تضادات اور بے یقینی سے دوچار ہوگی۔

قرآن سے استفادے کی صورت یہ ہے کہ تقویٰ کے حصول کے نیت سے قرآن کو پڑھا جائے، **ھدی للمتقین** (یہ قرآن) متقین کے لئے ہدایت ہے، اگر قرآن کو سیاسی یا انقلابی مقاصد کے لئے پڑھا جائے گا تو اس طرح کے افراد کو سارا قرآن سیاسی اور انقلابی نظر آئے گا، تقویٰ، اخلاص، للھیت، خشیت، تزکیہ اور آخرت کا کھٹکہ وغیرہ یہ ساری باتیں ان کے لئے ثانوی حیثیت کی حامل ہو جائیں گے۔

قرآن جیسی کامل اور مقدس کتاب کی موجودگی میں ہم زوال کا شکار ہوں، اور دوسری قوموں کے لئے عبرت کا موجب بھی۔ یہ قرآن سے دوری ہی کا نتیجہ ہے، ہماری نسلوں کی حالت یہ ہے کہ وہ قرآن پڑھنا ہی نہیں جانتی، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ قرآن اور اس کی ضروری تفسیر کو ہم نصاب تعلیم کا حصہ بناتے، تاکہ ہر طالب کا قرآن سے تعلق قائم ہو جاتا، لیکن ہمارے اعمال بد اور غیروں کی ذہنی غلامی کی وجہ سے ہم سے اس طرح کی چیزوں کا ادراک ہی سلب ہو گیا ہے۔

بعض نئے ذہن کے حامل افراد کی کوشش ہے کہ قرآن کو نئی معنویت دی جائے، جس سے قرآن نئے لوگوں کے لئے قابل قبول ہو اور قرآن جدید بت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو، یہ کاوش دراصل مرعوبانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے، قرآن کا تو دعویٰ یہ ہے کہ انسان کی نجات اس کے رنگ میں رنگ جانے اور اس کی تعلیمات سے ہم آہنگ ہونے سے وابستہ ہے، البتہ اتنا ضرور ہے کہ چونکہ ہر دور کی زبان اور اسلوب بیان اور استدلال مختلف ہوتا ہے، انسان اپنے دور کے اسلوب بیان سے مانوس ہوتا ہے، اس لئے قرآنی تعلیمات کو نئے اسلوب میں پیش کیا جا سکتا ہے اور پیش کرنا چاہئے، لیکن قرآن کے مقاصد اور اہداف کو نئے دور کے اہداف سے ہم رنگ اہداف میں پیش کیا جائے، یہ ناقابل قبول بات ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مکمل نظام زندگی کی حامل کتاب ہے، اس میں انسانی زندگی کی ساری ضروریات اور سارے تقاضوں کا احاطہ شامل ہے، پھر قرآن کی ایک پوری ترتیب موجود

ہے، اس ترتیب کے مطابق انسان کو جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، اسے اسی حساب سے اہمیت دی گئی ہے، کچھ کم اہمیت کی حامل چیزوں کو اسی طرح اہمیت دی گئی ہے، جدید ذہن اپنے ذہن اور غور و فکر سے قرآن کی اس ترتیب کو نہیں سمجھ سکتا، اس کے لئے اسے سلف صالحین کی قرآنی ترتیب کو سامنے رکھنا ہوگا۔

دوسری صورت میں قرآن کے اہداف تبدیل ہونے کا خطرہ درپیش ہے۔

کسی فرد کی اگر قرآن سے مناسبت پیدا ہو جائے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس میں رفتہ رفتہ اسلام کی مطلوبہ خوبیاں وصفات پیدا ہوتی جائیں گی، لیکن اس کے لئے دو چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، ایک یہ کہ جب تک قرآن کا نور دل کی گہرائیوں کا حصہ نہ بن جائے تب تک دوسروں تک قرآن کا پیغام پہنچانے میں توانائیاں صرف نہ کی جائیں اس لئے کہ ایسا کرنے سے اس کی علمیت اور عالمانہ شان کی نفسیات جاگ جانے کا خطرہ ہوتا ہے، جس سے قرآنی علم کے ذریعے وہ بڑے بننے کی راہ پر گامزن ہوگا۔

دوسری چیز جس کا خیال رکھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ کوشش کی جائے کہ ذکر میں رسوخ حاصل ہوتا جائے، ذکر کی پشت پر جب قرآن کی تلاوت ہوگی تو زندگی مکمل طور پر تبدیل ہو جائے گی۔

قرآن ہمارے نام اللہ کا پیام ہے کہ اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی کس طرح گزاری جائے، پھر قرآن آخرت میں اللہ کے سامنے پیش ہونے اور قیامت کی یاد دہانی کا سب سے مؤثر ترین ذریعہ ہے، قرآن ایسی کتاب ہے جو فرد کو اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے، اور اسے اللہ سے ہم کلامی کا شرف عطا کرتی ہے۔

قرآن کی غور و فکر سے تلاوت سے فرد ایمانی اعتبار سے تروتازہ رہتا ہے، اس لئے قرآن کی تلاوت کا اہتمام ناگزیر ہے، اگر زیادہ نہ ہو تو کچھ نہ کچھ تلاوت کا ہونا تو ناگزیر ہے۔



# صبر و شکر کے اوصاف

صبر و شکر یہ دو اوصاف ایسے ہیں، جو فرد کو اعلیٰ مقام پر پہنچانے کا ذریعہ ہیں، صبر کی، زندگی کے ہر موڑ پر ضرورت پڑتی ہے، نفس کو بے قابو ہونے سے بچانے کے مجاہدوں کے دوران صبر کی انتہائی ضرورت درپیش ہوتی ہے، اس لئے کہ نفس کی حالت میں غیر معمولی تغیر برپا ہوتا رہتا ہے، کبھی نفس کی بہت اچھی حالت ہوتی ہے کہ ذکر کرتے رہنے اور ہر نیکی کرنے کے لئے دل چاہنے لگتا ہے، کبھی یہ حالت ہوتی ہے کہ نفس کی قوت مشتعل ہوتی ہے، اس پر انتہائی جبر کرکے، اسے نیکی اور ذکر کی راہ پر لانا پڑتا ہے، اس طرح کے حالات میں یہ صبر ہی ہے جو فرد کو نفس امارہ کے حوالے کرنے سے بچاتا ہے۔

دوسروں کی زیادتیوں اور مزاج کے خلاف واقعات پر بھی صبر کرنا ہے، ورنہ فرد دوسروں سے الجھے بغیر رہ نہیں سکتا۔

نامساعد مالی حالات میں فرد کو زیادہ صبر کی ضرورت پڑتی ہے۔

صبر فرد کو نفس کی قوت پر قابو پانے اور اللہ سے قرب کے مقامات طے کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، اس لئے قرآن میں فرمایا گیا، **ان اللہ مع الصٰبرین** (بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔)

بندہ مومن کو راہ حق میں چلتے ہوئے جو بھی مشکلات درپیش ہوں، یا اسے جان و مال کا جو بھی نقصان ہو، اس پر صبر کرنے سے ایک تو مزاج کی اسلامی بنیادوں پر تربیت ہونے لگتی ہے، دوسرے یہ کہ اللہ سے مانگتے رہنے کی نفسیات پیدا ہوتی ہے۔

تیسرے یہ کہ استقامت حاصل ہوتی ہے، استقامت وہ چیز ہے جو الاستقامتہ فوق الکرامتہ (استقامت کی حالت کرامت سے زیادہ بڑھکر اور افضل ہے) قرآن میں صبر کا بار بار ذکر آیا ہے، جس سے صبر کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

شکر بھی بندہ مومن کی اہم خاصیت ہے **لئن شکرتم لازیدنکم** (تم میرا شکر کرو تو میں تمہاری نعمتوں میں اضافہ کروں گا) اللہ کی دی ہوئی ہر نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنا انتہائی ناگزیر ہے، ہم اللہ کی اتنی نعمتیں استعمال کر رہے ہیں کہ حد وحساب سے باہر۔ جسمانی صحت کا حاصل ہونا، اعضا کا صحیح طور پر کام کرنا، بھوک کے وقت کھانے کا حاصل ہونا، مالی اعتبار سے دوسروں کی محتاجی سے بچنا، اپنی سواری اور اپنے مکان کا ہونا، غرض کہ اس طرح کی سینکڑوں نعمتیں ہیں جو ہمیں اللہ کی طرف سے حاصل ہیں، ان نعمتوں پر شکر ادائیگی کرنے سے مزید نعمتوں کے عطا ہونے کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

نعمتوں کی شکر ادائیگی کی ایک صورت تو یہ ہے کہ زبان سے شکر ادا کیا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ کی طرف رجوع میں سبقت سے کام لیا جائے، تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں مستحق افراد کو شریک کیا جائے۔

شکر کی یہ ساری صورتیں ہیں جن کا اہتمام ہونا انتہائی ضروری ہے۔



# جہاد کی اہمیت

اسلام میں جہاد کی مسلمہ اہمیت ہے، جہاد کی دو صورتیں ہیں، ایک اپنے نفس کو اللہ ورسول کے لئے تابع بنانے اور اسے پامال کرنے کے لئے مجاہدوں سے کام لینا دوسرے اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کے لئے جہاد کرنا، یعنی ظالم طاقتوں کے خلاف جہاد، اس دوسرے جہاد کا انحصار طاقت اور استعداد پر ہے، اگر طاقت اور استعداد حاصل ہو پھر بھی جہاد نہ ہو تو یہ اسلام کے ایک فریضے سے غفلت کا مظاہرہ ہے، جس کی سزا اسلام اور مسلمانوں کی مظلومیت، مغلوبیت اور ظالم وغاصب طاقت کے غلبے کی صورت میں ملتی ہے۔

موجودہ دور فوجی نظام کا دور ہے اور سرحدوں کی حد بندیاں بھی قائم ہیں، اس لئے اس دور میں جہاد کے لئے حکومتوں کی سرپرستی کا ہونا ضروری ہے۔

اس دور میں جہاد کے لئے مسلمان حکومتوں کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں، لیکن یہ ہمارا سب سے بڑا المیہ ہے کہ مسلمان حکومتیں باطل قوتوں سے مرعوب ہیں، یہ مرعوبیت ایسی ہے جو انہیں باطل قوتوں سے صرف نظر کرنے پر ابھارتی واکساتی ہے، اس وقت کشمیر اور فلسطین (غزہ میں) مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے، اس پر دردمند مسلمان خون کے آنسو بہانے پر مجبور ہے، مسلمان ممالک جو قدرت کی طرف سے ہر طرح کے وسائل سے نوازے گئے ہیں، وہ یہ حالت دیکھکر ٹس سے مس نہیں ہو رہے ہیں۔

قرآن میں جہاد کے بارے میں ایک نہیں بیسوں آیتیں ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی جہاد سے وابستہ ہے، کفر کی طاقتیں مسلمانوں کو اسلام کی دولت سے بہرہ ور حالت میں ہرگز دیکھنا نہیں چاہتی، اس لئے وہ ہر دور میں کوشاں رہتی ہیں کہ مسلمانوں کو پسپا کیا جائے اور ان سے اسلام کی دولت چھین لی جائے، اس کے لئے وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوتی رہتی ہیں، اس لئے اسلام کے تحفظ کے لئے ان سے جہاد کرنا فرض ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی اسلام کے ساتھ زندہ رہنے کی صورت ایک ہی ہے کہ وہ جہاد سے کام لیں، یہ جہاد نفس کے خلاف مجاہدے سے شروع ہو کر باطل قوتوں سے مقابلے تک آتا ہے۔

جب اسلام کی بقا کا مسئلہ درپیش ہو تو اس وقت دوسرے کاموں کے مقابلے میں جہاد کی اہمیت بڑھ جاتی ہے، اگر تزکیہ میں کمی و کوتاہی موجود ہے تو یہ کمی جہاد میں حصہ لینے سے دور ہو جاتی ہے، مجاہدین کی مالی مدد کرنا یہ بھی جہاد ہی کا حصہ ہے۔



## اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا

اسلام میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی نہ صرف تاکید کی گئی ہے، بلکہ زکوٰۃ کو فرض کی حیثیت حاصل ہے، زکوٰۃ مال کا ڈھائی فیصد بنتی ہے، یعنی ہر صاحب استعداد فرد کو سال میں ایک بار ڈھائی فیصد رقم خرچ کرنی ہے، زکوٰۃ کے علاوہ خیرات اور ضرورتمندوں کی مزید مالی مدد کرنے کی بھی تاکید کی گئی ہے۔

قرآن میں ایک جگہ ہے یسئلونک ماذا ینفقون ترجمہ: یہ تم سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کے لئے) کیا خرچ کریں ان سے کہو کہ ضرورت سے زائد (سب کا سب)۔ مال ایسی چیز ہے جس سے ہر فرد کو محبت ہوتی ہے، جس کے پاس مال ہوتا ہے، وہ اس سے مزید مال بنانا چاہتا ہے، اور جس کے پاس مال نہیں ہوتا، وہ زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کی فراق میں ہوتا ہے، مال سے چونکہ افراد کی ضروریات اور معاشی زندگی وابستہ ہوتی ہے، اس لئے معاشرے میں مال کی منصفانہ تقسیم کے لئے اسلام نے زکوٰۃ کے علاوہ خیرات اور صدقات پر زور دیا ہے، اس سے ایک تو مال کی محبت کا زور ٹوٹنے لگتا ہے، دوسرے تزکیہ ہوتا ہے، تیسرے یہ کہ مسکینوں کی مدد ہوتی ہے اور دینی ضروریات کی پورے ہونے کی صورت پیدا ہوتی ہے، قرآن میں ایک جگہ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا جارہا ہے کہ تم ان سے صدقہ (مال) لے کر ان کا تزکیہ کرو۔

مال آتا ہے تو اس سے فرد میں سرکشی کے جراثیم کچھ زیادہ آنے لگتے ہیں، اس سے تکبر آنے لگتا ہے، غریبوں کو حقیر سمجھنے کا مزاج پیدا ہونے لگتا ہے، اخلاقی اور روحانی خرابیاں زیادہ پیدا ہونے لگتی ہیں، مال، حق و صداقت کو قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے، ان ساری بیماریوں کا علاج مال کو اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا ہے، اللہ کو فرد کی مالی قربانی بہت زیادہ پسند ہے، اس کی وجہ سے اسے اخلاقی اور روحانی خرابیوں سے بچا لیا جاتا ہے، مال کا آنا بڑی

آزمائش بھی ہے کہ نفس اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا، بہت کم خوش نصیب افراد ہوتے ہیں جو مال کی محبت سے دستبردار ہو کر اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر تیار ہوں، معاشرے میں دینی اور دعوتی کاموں کا فروغ اسی قسم کے افراد کے مالی تعاون سے ہی ہوتا ہے، یہ خوش نصیب افراد ہیں، جو اپنی آخرت کی زندگی بنانے کے لئے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں۔

کسی کے پاس زیادہ مال ہونا کسی کے پاس مال کا نہ ہونا، یہ بھی آزمائش ہے کہ اللہ دونوں طبقات کو آزمانا چاہتا ہے کہ مالدار، اللہ کے لئے مسکینوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں یا مال پر سانپ بن کر بیٹھنا چاہتے ہیں۔

مسکینوں کو اللہ اس طرح آزماتا ہے کہ وہ اللہ کی اس تقسیم پر صبر و شکر کرتے ہیں یا شکوہ و شکایت اور اپنی حالت زار کا رونا روتے رہتے ہیں۔

مالدار اور مسکین دونوں طبقات اس معاملے میں سخت آزمائش میں ہیں، اگر مالدار اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں پوری کریں تو معاشرے میں توازن کی حالت قائم رہتی ہے، اور دولت کا ارتکاز خاص طبقات تک محدود نہیں رہتا، بلکہ اس کا پھیلاؤ ہوتا رہتا ہے۔



## اللہ کے لئے کسی چیز سے دستبردار ہونے کا انعام

حدیث شریف ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے کسی چیز سے دستبردار ہوتا ہے، تو اللہ اسے اس سے بہتر چیز عطا فرماتا ہے۔

اللہ کے لئے اپنی پسندیدہ چیز سے دستبردار ہونا بڑا مشکل کام ہے، لیکن اگر اس حدیث شریف کا استحضار (دھیان) غالب ہو تو ایسا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

اللہ کے لئے معاشی خوشحالی کی زندگی کو خیر باد کہنا، اللہ کے لئے دوسروں کے قصوروں کو معاف کرنا، اللہ کے لئے غصے پر ضبط کرنا، اللہ کے لئے نیند کی قربانی دے کر عبادت کرنا، اللہ کے لئے دوسروں سے محبت کرنا، اللہ کے لئے مالی ایثار کرنا، اللہ کے لئے نفس کو مجاہدوں کے مراحل سے گزارنا وغیرہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جن کی بدولت اس سے بہتر چیز عطا ہوتی ہے۔

ایسی چیز جو سکون، طمانیت، خوشی، احساسات کی پاکیزگی، دوسروں کی محتاجی سے بچاؤ، روزی میں برکت، مزاج میں توازن و ٹھہراؤ، ہر طرح کے حالات میں اطمینان، اللہ کی رضا پر راضی رہنے والی چیزیں نعمتوں میں شامل ہیں۔

اللہ کے لئے قربانی دینا فرد کو اللہ کی مدد کا مستحق بنا دیتا ہے، جسے زندگی کے معاملات میں اللہ کی مدد حاصل ہو، اسے اور کیا چاہئے، لیکن نفس کی ساخت ایسی ہے کہ وہ اللہ کے لئے اپنی منفی عادتوں، سہولت کی زندگی اور سستی و غفلت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہے، نفس کی اس حالت کی وجہ سے فرد اپنی زندگی میں خیر و برکت سے محروم رہتا ہے، اور منفی عادتوں کی زنجیر سے نکلنے نہیں پاتا، اللہ کے لئے چستی اور ذوق و شوق کا مظاہرہ کئے بغیر نئی پاکیزہ زندگی عطا ہونا، ممکن نہیں۔

ہم میں سے ہر فرد بے شمار مسائل کا شکار ہے، اللہ کے مذکورہ وعدہ کے باوجود وہ اللہ کی طرف راغب ہونے اور اللہ کے لئے منفی چیزوں کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

جس کی سزا احساسات کی سنگینی، بے قرار اور سخت ذہنی دباؤ کی صورت میں ملتی ہے اور پاکیزہ عادتیں بھی مزاج کا حصہ نہیں بننے پاتی۔

ہمیں اللہ کے اس وعدے پر بھروسہ کرکے اپنی زندگی کی منفی عادتوں سے دستبردار ہونا ہوگا اور اللہ کے انعامات کا راستہ کھولنا ہوگا، اس سے ان شاء اللہ دنیا وآخرت کی زندگی کامیابیوں سے ہمکنار ہوجائے گی۔



## ذکر کے بغیر بحرانوں سے دوچار ہونا

ذکر کے بغیر فرد مختلف قسم کے بحرانوں سے دوچار ہوجاتا ہے، اچھی ملازمت، بہتر آمدنی، اچھا مکان اور بہتر گاڑی اسے ان بحرانوں سے نکالنے میں کامیاب نہیں ہوتا، یہ بحران خالص احساسانی نوعیت کے ہوتے ہیں کہ فرد کا احساس ناپاکیزہ ہوتا ہے، وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگوں سے الجھتا رہتا ہے، غصے پر قابو نہیں پاسکتا، اس کا فکری انتشار تھمنے نہیں پاتا، اسے اپنی اصلاح کے کام سے دلچسپی نہیں ہوتی، وہ دوسروں کی خامیاں تلاش کرتا رہتا ہے، وہ دوسروں کو برائیوں کا مجسمہ سمجھنے لگتا ہے، اور اپنے آپ کو افضل۔ یہ احساساتی بیماریاں ایسی ہیں جو ذکر، قرآن میں انہماک اور گہری عبادت کے علاوہ دور نہیں ہوسکتی، ان احساساتی بیماریوں کی وجہ سے فرد کی یہ زندگی بھی زہر سے عبارت ہوجاتی ہے تو آخرت کا عذاب بھی اس کا منتظر رہتا ہے، اللہ کا ذکر ہی ایسی چیز ہے جو فرد کو ان احساساتی بیماریوں سے نجات دلاسکتا ہے۔

فرد حیران ہوتا ہے کہ بظاہر تو اس کے حالات اچھے ہیں، اسے ساری سہولتیں حاصل ہیں، اس کے باوجود وہ ان بحرانوں سے کیوں دوچار ہے، وہ دراصل ذکر سے محرومی کی سزا کو نہیں سمجھتا۔

ان حالات میں افراد کے ساتھ سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کو ذکر کی راہ پر لگایا جائے، ذکر کے بغیر نہ صرف یہ کہ فرد صحیح سمت میں چلنے کا فیصلہ نہیں کرپاتا، بلکہ صحیح سمت کا تعین بھی نہیں ہوتا۔

# اداروں و تنظیموں میں

## صاحب دل وصاحب معرفت کا ناگزیر ہونا

کسی بھی ادارے، جماعت و تنظیم میں اوپر کی سطح پر ایک دو صاحب دل اور صاحب نظر افراد اگر موجود نہیں ہیں تو اس ادارے کو انتشار میں مبتلا ہونے سے بچانا دشوار ہے، اس میں باہمی رنجشیں اور چپقلشیں موجود رہیں گی اور بہتر سے بہتر اصول اور نظم کے باوجود اس ادارے کو اس حالت سے بچایا نہیں جاسکتا۔

سبب یہ ہے کہ نفس اپنی رائے کی برتری اور اپنے بڑائی چاہتا ہے اور مفادات بھی۔ صاحب دل وصاحب نظر فرد جو صاحب تقویٰ اور صاحب تزکیہ ہوتا ہے، وہ اپنی فراست سے ادارہ و تنظیم میں اس طرح کے انتشار کو روکنے میں کامیاب ہوتا ہے، یا اس کی برکت سے یہ انتشار ایک حد سے آگے بڑھنے اور ٹوٹ پھوٹ تک پہنچنے نہیں پاتا۔

اداروں اور تنظیموں میں حسد کی آگ بھی اپنا کام کر رہی ہوتی ہے، اصولوں، ظاہری آداب اور تنظیمی ڈھانچے نے حسد و جلن کی اس آگ کو چھپایا ہوتا ہے۔

صاحب دل فرد جو **اتقو فراسته المومن فانه ينظر بنور الله** (مومن کی فراست سے ڈرا کرو اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے) جب کسی ادارے میں اس طرح کا فرد اوپر کی سطح پر ہوتا ہے تو وہ اپنے فیض نظر سے حسد و جلن کی اس آگ کو ٹھنڈا کرتا رہتا ہے، نیز اس کی دعاؤں اور اخلاص کا بھی اس میں دخل ہوتا ہے، جس کی وجہ سے برپا ہونے والا انتشار تھم جاتا ہے۔

اداروں اور تنظیموں میں ایک بھی صاحب دل فرد نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا یہ ہے کہ حسد، حسد سے، بڑائی، بڑائی سے اور مفادات، مفادات سے ٹکرانے لگتے ہیں، اور انتشار آئے دن کا مسئلہ بن جاتا ہے۔

اس مسئلے کی نزاکت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے صاحب دل اور صاحب معرفت شخصیت کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، جس کا سارا نقصان جماعت، تنظیم وادارے کو بھگتنا پڑتا ہے، چونکہ



افراد علم کے زیور سے تو آراستہ ہوتے ہیں، ان کو ذہانت کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ مل جاتا ہے، وہ گفتگو میں بھی ماہر ہوتے ہیں، لیکن نفس کو مجاہدوں کے مراحل سے نہ گزارنے کی وجہ سے ان کی دل کی بینائی متاثر ہوتی ہے، وہ حسد، جلن اور مفادات کی نوعیت، اس کی سنگینی اور اس سے بچاؤ کی تدابیر نہ سمجھنے کی وجہ سے غیر شعوری طور پر اداروں اور جماعتوں کے لئے نقصان کا باعث بنتے ہیں۔

اداروں اور تنظیموں کو ملت کے لئے باعث خیر و برکت بنانے کے لئے ضروری ہے کہ جماعتیں اور ادارے اپنے ساتھ وابستہ افراد کی روحانی تربیت کا اہتمام کریں اور دل کی فیصلہ کن اہمیت کے پیش نظر اسے بیدار کرنے کا انتظام فرمائیں، اگر ایسا نہیں کر سکتے تو دوسری صورت یہ ہے کہ صاحب بینا اور صاحب دل افراد کی معیت میں اداروں کو چلانے کا اہتمام کریں، اس سے انشاءاللہ اداروں اور تنظیموں کا رخ صحیح خطوط پر متعین ہوگا، دوسری صورت میں اداروں اور تنظیموں میں اب تک جو کچھ ہو رہا ہے، وہی کچھ ہوتا رہے گا، اس سلسلے میں مثالیں پیش کرنا اگرچہ صحیح نہیں ہے، تاہم نمونے کے طور پر دو چار مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

ایک مدرسے کے مہتمم صاحب باہر کے کسی ملک سے مدرسے کے لئے چندہ کی رقم لائے اور خزانچی کے حوالے کی ان کا دل پانی پانی ہوگیا، اس نے اس رقم کو ہضم کرنے کا پروگرام بنایا اتفاق سے مہتمم صاحب سفر کو چلے گئے، رات کو دیر سے ان کی واپسی کا ارادہ تھا، خزانچی صاحب کو مہتمم صاحب کے سفر کی پوری تفصیل کا علم تھا، چنانچہ انہوں نے مہتمم صاحب کو راستہ سے ہٹانے کے لئے ان پر حملہ کیا، وہ وہیں مر گئے، خزانچی نے سمجھا کہ اب پیسے ان کے قبضہ میں آئیں گے، لیکن جب تحقیقات ہوئی تو خزانچی صاحب پکڑے گئے، اور انہیں سزا ملی۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک بزرگ کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد ان کے بیٹے بزرگ بنے، بزرگ خاندانی بزرگ تھا، کافی جائداد تھی، چنانچہ بزرگ کے ایک دوسرے قریبی عزیز سامنے آئے اور جائداد کے بڑے حصہ پر اپنا حق جمانا شروع کیا، مسئلہ کورٹ میں گیا، جج صاحب نے دونوں صاحبان سے کہا کہ آپ کے بزرگ طویل عرصے سے اصلاح و تربیت کا

کام کررہے ہیں، آپ لوگوں کا اس طرح جائیداد کے مسئلے پر تنازعہ کا ہونا، یہ صحیح نہیں، اس سے لوگوں میں بدنامی بھی ہوگی آپ اگلی پیشی تک آپس کے معاملات طے کرلیں، ورنہ مجھے سخت فیصلہ دینا ہوگا۔ وہ مصالحت کے لئے تیار نہیں ہوئے۔

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک بڑے بزرگ تھے، ان کے ایک بیٹے مدرسے کے مہتمم تھے، جو نہایت ہی شریف فرد تھے، ان کی کچھ زمین تھی، اس زمین پر ان کے بھائی نے قبضہ کرنا چاہا، ان کو پتہ چلا تو وہ زمین پر گئے، بھائی نے اسے دیکھکر پستول سے فائر کیا اور ان کو شہید کیا۔

چوتھا واقعہ یہ ہے، ایک صاحب دانش نے علمی کام کرنے کے لئے ادارہ قائم کیا، ان میں مختلف قسم کے افراد کو شامل کیا، حسن اتفاق سے ادارے کو بے تحاشہ وسائل حاصل ہوگئے، وسائل ملتے ہی ادارے میں انتشار پیدا ہوگیا، صدر اور سیکریٹری کے درمیان اخباری بیان بازی بھی شروع ہوئی، دو گروہ پیدا ہوئے، بڑی مشکل سے سیکریٹری کے گروہ کی علحیدگی ہوئی، اس کے بعد نئے سیکریٹری کا تقرر ہوا، اب صدر اور سیکریٹری کے درمیان لڑائی میں مزید تیزی آئی، اسی صدمے میں صدر صاحب کا انتقال ہوا، ادارہ پچھلے ۴۵ سال سے باہم رسا کشی کا شکار ہے اور صلح کی ساری کوششیں ناکامی سے دوچار ہوئیں۔

چونکہ صاحب دل اور صاحب معرفت شخصیت کی نہ تو سرپرستی حاصل تھی، اور نہ ہی ادارے میں اس طرح کی کوئی شخصیت موجود تھی، اس لئے ادارے سے وابستہ افراد کو عرصے سے قابل رحم حالت سے دوچار ہونا پڑا۔

اداروں و تنظیموں کو چلانے کے لئے فراست، بصیرت، حکمت اور خود شناسی کی استعداد چاہئے، تحمل و بردباری اور مفادات سے دستبرداری بھی۔ یہ نعمت بزرگوں کے تسلسل سے وابستہ ہونے کے نتیجے میں ہی حاصل ہوتی ہے۔



# عصر حاضر میں
# مسلمانوں کو درپیش مسائل اور چیلنج

## اسلامی تہذیب کو ریاست کی تائید حاصل نہ ہونے کا چیلنج

عصر حاضر میں مسلمانوں کو سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ ان کی حکومتیں تو ہیں، لیکن کوئی بھی ریاست اسلامی تہذیب کے تحفظ و فروغ کے کام کو اپنا کام سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہے، اس لئے ہر مسلمان حکومت کی پالیسیاں مغربیت کو فروغ دینے پر مشتمل ہیں، اس دور میں پاکیزہ سے پاکیزہ تہذیب بھی اگر ریاست کی قوت سے محروم ہوگی، تو وہ تہذیب مادی تہذیب کی یلغار سے بچ سکے، محال تر ہے، سبب یہ ہے کہ مادی تہذیب، افکار نظریات اور جدید میڈیا کے ذریعہ گھروں اور بچوں تک پہنچ چکی ہے۔

اسلامی تہذیب کو ریاست کی مکمل تائید کا نہ ہونا، یہ اس دور کا مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔

## مادی سہولت کے سامان کی فکر مندی کا ہونا

مسلمانوں کا دوسرا بڑا مسئلہ مادی زندگی کی خوشحالی جس کی اس دور میں تیزی سے روح پھونکی گئی ہے، اس سے دستبردار ہوکر سادہ طرز زندگی اختیار نہ کرنے کی روش ہے، ہر شخص اس فکر اور کوشش میں ہے کہ اس کے پاس مادی سہولت کا ہر سامان موجود ہو۔

## اخلاقی اور روحانی تربیت کے پاکیزہ نظام کا نہ ہونا

مسلمانوں کا تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ ان کے ہاں اخلاقی اور روحانی تربیت کا پاکیزہ نظام ہونے کے باوجود معاشرے میں اس تربیت کے لئے منظم ادارے موجود نہیں ہیں، جس کی وجہ سے لوگ مادیت کے سیلاب میں تنکوں کی طرح بہتے جارہے ہیں۔

## ملی وحدت کے نظام کا فقداں

ہمارا ایک مسئلہ وحدت کا فقدان ہے، ملت کی سطح پر بھی تو قومی سطح پر بھی، حالانکہ اسلام، ملی وحدت کا ایسا نظام قائم کرنے کا علمبردار ہے کہ جس طرح جسمانی نظام کے سارے اعضا جسم کے ساتھ از خود متحرک ہو جاتے ہیں، ملی سطح پر مسلمانوں کے وسائل تو ایک دوسرے کے لئے ہر وقت تیار ہونے چاہئے، امیر مسلمان ملکوں کو تو چاہئے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے وسائل کا دروازہ کھول دیں، ایک مسلمان ملک دشمن کی یلغار کا شکار ہے تو سارے مسلمان ملکوں کو چاہئے کہ وہ اس یلغار کو اپنے اوپر حملہ تصور کریں، یہ امت کی حیثیت سے جینے کی بہترین صورت ہے، اس سے دشمن کو کسی بھی مسلمان ملک پر حملہ کرنے کا حوصلہ ہی نہ ہوگا، لیکن امت کی زبوں حالی پر رونا آتا ہے کہ وہ ملی وحدت کے اس نظام کی طرف آنے کے لئے کوئی تیار ہی نہیں ہیں۔

قومی سطح پر بھی وحدت کی ضرورت ہے، مذہبی طبقات کے گروہی، جماعتی اور مسلکی اختلافات ایک دائرے کے اندر محدود ہوں، ان اختلافات کے باوجود باہم ایک دوسرے سے محبت ہو۔

اہل سیاست کے درمیان بھی سیاسی اختلافات کے باوجود قومی وحدت کے معاملے میں اتحاد کی فضا ہو۔

## چند دنوں کی زندگی کو خوبصورت بنانے کے خبط کا ہونا

ہمارا ایک بڑا مسئلہ دنیا کی چند دنوں کی زندگی کو خوبصورت بنانے کا خبط ہے، جس نے ہماری توانائیوں کو نچوڑ لیا ہے اور جو ہمارے افکار پر غالب ہو گئی ہے، حالانکہ اللہ کا وعدہ ہے کہ تم تقویٰ اور توکل اختیار کرو اور اسلامی زندگی اختیار کرو تو تمہاری مدد کی جائے گی اور تمہاری



روزی کا از خود انتظام کر دیا جائے گا **ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ**۔ (جس نے اللہ پر توکل کی، اللہ اس کے لئے کافی ہے)۔

## صحتمند کتابوں کے مطالعہ کے رجحان کا نہ ہونا

ہمارا ایک المیہ یہ ہے کہ صحتمند کتابوں کے مطالعے کا رجحان نہ ہونے کے برابر ہے، یہ کوئی نئی صورتحال نہیں ہے کہ جو آج پیدا ہوئی ہو، بلکہ لگ بھگ ڈیڑھ سو سال سے کتاب سے دوری کی فضا ہے، مولانا عبدالماجد دریابادی نے ۱۹۲۸ء میں اپنے رسالے صدق جدید میں اس کا رونا رویا تھا اور لکھا تھا کہ صدق جدید زیادہ تر اعزاری جاتا ہے، اس لئے کہ خریدار نہیں ملتے۔

اپنی تہذیب کے اصول و مبادی سے واقف ہونے، اپنے بزرگوں کی قیمتی تحقیقات سے آشنا ہونے، امت کے بڑے بڑے حکماء کے فکر و فلسفہ سے متعارف ہونے اور دور جدید کے غیر مسلم اور مسلم مفکروں کی فکر کو پڑھنا وغیرہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو ماضی کا قصہ بن گئی ہیں، اس سلسلے میں ہماری نسلوں کا ذہن خالی ہے، نصابی کتابوں کے مطالعے سے ہٹ کر دوسرا مطالعہ نہ ہونے کے برابر ہے، نصابی کتابیں بھی بے دلی سے پڑھی جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو قوم صحتمند مطالعے سے تعلق نہیں رکھتی، وہ قوم افلاس فکر کا شکار ہوتی ہے اور دنیا کے دوراہے پر حیران و پریشان کھڑی ہوتی ہے، اس کے لئے مسائل زندگی میں اپنے لئے راہیں نکالنا محال تر ہوتا ہے، مطالعے سے ذہن بنتا ہے اور صحتمند صورت اختیار کرتا ہے، ذہن سے پھر دل کا سفر شروع ہوتا ہے۔

ہمارے ہاں بزرگوں نے ہر موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی ہیں، ان کتابوں کی شدبد بھی نہیں ہے، ہماری نسلوں کی مطالعے کی یہ حالت دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا زوال گہرا ہے اور اس سے نکلنے کی دور دور تک کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

مطالعے سے نہ صرف جدید تعلیم سے وابستہ لوگوں کو دلچسپی نہیں، بلکہ دینی مدارس کے طلبہ کو بھی اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، ایک بڑے دینی مدرسے کے مہتمم صاحب نے اپنے رسالے میں اس کا شکوہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ مجھ سے بیس سال سے کسی طالب نے یہ تک نہ پوچھا کہ ہماری لائبریری میں فلاں کتاب موجود نہیں ہے، وہ منگوا کر دی جائے۔

مغرب میں اب بھی مطالعہ کا غیر معمولی رجحان موجود ہے، ایک کتاب بیس بیس ہزار کی تعداد میں چھپتی ہے، جب کہ ہمارے ہاں ایک کتاب عام طور پر ہزار کی تعداد میں چھپتی ہے اور وہ پندرہ بیس سال تک پڑی رہتی ہے۔

ہمیں اپنے زوال کو روکنے کے سلسلے میں اس صورتحال پر سنجیدگی سے غور وفکر کرنا ہوگا۔

ہمارے ہاں کتاب مخالفانہ ذہن کسی ایک طبقے تک محدود نہیں ہے، یہ ''خصوصیت'' ہمارے سارے طبقات کی مشترکہ ''خصوصیت'' ہے، اسے اگر دور کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو خطرہ ہے کہ ہماری قوم کہیں غلامی کی نئی زنجیروں میں نہ کسی جائے۔

## ایمان کو بچانے کی ایک اہم تدبیر

موجودہ دور دجالی تہذیب کے غلبے کا دور ہے، ہر طرف فتنوں کی بارش ہے، غالباً اسی دور کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک دور آئے گا جب فرد اپنے ایمان کو بچانے کے لئے بکریاں لے کر پہاڑوں پر نکل جائے گا، اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اتنی عزیز تر چیز ہے کہ اس کو بچانے کے لئے اگر دنیا سے دستبرداری اختیار کرنی پڑے تو بندہ مومن کو ایسا کرنے میں کوئی تامل نہیں کرنا چاہئے۔ ایمان سے جہنم سے بچاؤ کی صورت وابستہ ہے، ایسا کون شخص ہے جو جہنم کی سزا کا تحمل کر سکے۔

مذکورہ حدیث شریف سے محدثوں نے یہ مطلب لیا ہے کہ ایمان بچانے کے لئے فرد گوشہ نشینی اختیار کرے گا۔



گوشہ نشینی کی وجہ سے فرد فتنوں کے اثرات سے بھی بچ سکے گا تو ساتھ ساتھ ذکر کے لئے بھی ذہنی طور پر یکسوئی حاصل ہوگی اور ذکر کا نور فرد میں ایمانی توانائی پیدا کرتا رہے گا۔

## ایمان بنانے کے لئے محنت کے فقدان کا ہونا

ہمارا ایک بڑا مسئلہ ایمان بنانے کے لئے محنت کا فقدان ہے، ایمان جو دنیا میں سب سے بڑی نعمت ہے، اس کے بارے میں بدقسمتی سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کے لئے محنت کی ضرورت نہیں ہے، وہ از خود حاصل ہوگی، حالانکہ ایمان پر سب سے زیادہ محنت کی ضرورت لاحق ہے، ایمان بیک وقت حاصل نہیں ہوتا، یعنی ایمان میں ترقی بیک وقت نہیں ہوتی، وہ رفتہ رفتہ ہوتی ہے، اور وہ اس وقت ہوتی ہے، جب اس کے لئے محنت ہوگی، دنیا کے سارے علوم وفنون محنت سے ہی حاصل ہوتے ہیں اور ان کو حاصل کرنے میں وقت لگتا ہے، محض کلمہ پڑھنا یہ ایمان کی تکمیلی حالت نہیں ہے، چونکہ ایمان کے ساتھ پوری اسلامی شریعت وابستہ ہے شریعت کے سارے اعمال پر عمل کرنا ہے، اور اخلاص، اخلاق، تقویٰ، تزکیہ وغیرہ سب ایمان سے متعلق ہیں، ایمان پر محنت ہوگی تو وہ ساری بُرائیاں دور ہوں گی، جن کا اوپر ذکر کیا گیا، ایمان پر محنت کے لئے ضروری دینی علم کا حصول بھی ضروری ہے تو ذکر وفکر کے مجاہدے اور عبادت میں انہماک بھی ناگزیر ہے، مالی قربانی سے بھی ایمان میں ترقی ہوتی ہے۔

## اسلامی مزاج کو سمجھنے سے غفلت کا ہونا

ہمارا ایک مسئلہ اسلامی مزاج کو سمجھنے میں غفلت کا بھی ہے، اسلامی مزاج نہ تو اکیڈمک مزاج کی طرح ہے اور نہ ہی سیاسی مزاج سے مطابقت رکھتا ہے، اسلامی مزاج نیکی اور گناہ کے سلسلے میں حساسیت پر مشتمل ہے کہ فرد ہر وقت چوکس رہے کہ مجھ سے ظاہری اور باطنی گناہ تو سرزد نہیں ہوا، میری نیت میں خلل تو واقع نہیں ہوا، میں نے دوسروں کی دل آزاری تو نہیں کی، مجھ سے آخرت کے منافی اعمال تو سرزد نہیں ہوئے، میری ایمانی حالت میں ترقی ہو رہی

ہے یا نہیں، اللہ سے میری محبت میں اضافہ ہورہا ہے یا نہیں، اسلامی مزاج فرد کو ہر وقت حساس بناتا ہے اور چوکنا رکھتا ہے، اور خود احتسابی کے ذریعے اپنے اعمال اور اپنی نیت کا جائزہ لیتے رہنے پر ابھارتا اور اکساتا ہے۔

یہ اسلامی مزاج ایسا ہے کہ اس دور میں اسے سمجھنے اور اس طرح کے مزاج بنانے کے کام سے سب سے زیادہ غفلت ہے، اسلام کے حوالے سے بحث ومباحثہ اور گفتگو جتنی چاہے کرالی جائے، تو اس پر تو آمادگی ہے، لیکن حقیقی اسلامی مزاج بنانا، چونکہ سب سے زیادہ دشوار کام ہے، اس لئے اس کام کی طرف آنے کے لئے ذہن آمادہ نہیں۔

## دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کی روش کا ہونا

اس دور میں دنیا کو ترجیح دینے کی روش بھی عام ہے، اسلام بھی ہے، ساتھ ساتھ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کی روش بھی موجود ہے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ نفس کی قوت غالب ہے، جو دنیا سے بھرپور استفادہ کرنا چاہتی ہے اور مال کے ذریعے اپنے حرص وہوس کے جذبات کی تسکین کرنا چاہتی ہے۔

قرآن میں آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دینے والوں کے لئے سخت انتباہات موجود ہیں، اگرچہ دنیا ایک حد تک ضروری ہے اور اس کے لئے جدوجہد کرنا احسن بات ہے، لیکن دنیا کو مقصود سمجھنا یا اسے آخرت کے مقابلے میں ترجیح دینا یا دنیا پر ٹوٹ پڑتا اور دل اور ذہن کو ہر وقت دنیا سے آلودہ کرنا، اس سے فرد کی اسلامی زندگی اور آخرت کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے، قرآن کی درج ذیل آیتوں میں اس کی واضح نشاندہی فرمائی گئی ہے۔

سورۃ یونس کی آیت ۷، ۸ میں ہے۔

''جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی امید نہیں ہے اور وہ دنیا کی زندگی پر خوش اور اس پر مطمئن ہیں اور ہماری نشانیوں سے غافل ہورہے ہیں ان کا ٹھکانہ ان کے (اعمال) کے سبب جو وہ کرتے ہیں دوزخ ہے۔''



سورۃ النازعات کی آیت ۳۷۔۳۹ میں ہے، ''جس نے سرکشی اختیار کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔''

## بخیل کا اللہ سے دور ہونا اور سخی کا قریب ہونا

بخل کا مظاہرہ کرنا یہ بھی عمومی بیماری ہے، غریبوں کے لئے زندگی گزارنا وبال ہوگیا ہے، ان حالات میں بخل کا مظاہرہ کرنا سخت ناپسندیدہ عمل ہے، حدیث شریف ہے کہ سخی اللہ کے قریب ہوتا ہے، لوگوں سے قریب ہوتا ہے اور جنت کے قریب ہوتا ہے، جبکہ بخیل اللہ سے دور ہوتا ہے، لوگوں سے دور ہوتا ہے اور جہنم سے دور ہوتا ہے۔

قرآن میں چوتھے پارہ میں ہے تنگی ہو یا کشادگی کی حالت، دونوں صورتوں میں اللہ کے لئے خرچ کرو، تنگی کا مطلب یہ ہے کہ اگر مالی اعتبار سے حالات نامساعد ہیں تو اس کے باوجود کچھ نہ کچھ اللہ کی راہ میں ضرور خرچ کرو، حدیث شریف ہے کہ ''جہنم میں جانے سے بچو چاہے آدھی کھجور خرچ کرکے'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے ہاں مال کی مقدار مطلوب نہیں، بلکہ اللہ دل کی اس حالت کو دیکھتا ہے، جس کے تحت بندہ خود صاحب ضرورت ہونے کے باوجود دوسروں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے خرچ کرتا ہے۔

غریبوں کو واپس لوٹانا یہ ناپسندیدہ عمل ہے، اسی طرح مسکینوں کو کھانا نہ کھلانا، یہ ایسا عمل ہے جس کے بارے میں قرآن میں دو مقامات پر جہنم کی نوید سنائی گئی ہے۔

## مقصد زندگی سے بے بہری کی عمومی روش کا ہونا

ہمارا ایک بڑا مسئلہ مقصد زندگی سے بے بہری کی عمومی روش ہے، مقصد زندگی، اچھی ملازمت، بہتر آمدنی، معاشی خوشحالی بن کر رہ گئی ہے، آپ سو فیصد لوگوں سے معلوم کریں گے تو ان میں سے اکثریت کا جواب یہی ہوگا، حالانکہ یہی مقصد زندگی غیر مسلم قوموں اور اہل مغرب کا بھی ہے اور پھر ان کے اور ہمارے درمیان فرق ہی کیا رہا؟

اہل ایمان کا مقصد زندگی تو اس سے زیادہ بلند اور پاکیزہ ہونا چاہئے، وہ مقصد زندگی اسلامی اعمال کے ذریعے اللہ کی رضامندی اور آخرت میں نجات کا ہونا چاہئے، مقصد زندگی پاکیزہ مقصد وہ چیز ہے جس سے زندگی کا رخ متعین ہوتا ہے اور فرد اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کے راستے پر گامزن ہوتا ہے، لیکن اگر مقصد زندگی ہی متعین نہ ہو یا منفی نوعیت کا ہو تو اس سے فرد دنیا اور نفس کا ہو کر رہ جاتا ہے، پاکیزہ مقصد زندگی سے محرومی سے نہ تو سلیقہ انسانیت سے بہرہ وری ہوتی ہے اور نہ ہی کردار بنتا ہے، ایسی زندگی نہ صرف نامبارک ہوتی ہے، بلکہ اسلامی منشا کے بالکل متضاد ہوتی ہے، اور دنیا و آخرت میں خسارے کا موجب بھی۔

پاکیزہ مقصد زندگی کا شعور ہونا اور اس کے مطابق زندگی گزارنا یہ ایسا کام ہے جو مسلمان کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے، دوسری صورت میں اصولوں کے مطابق مادی زندگی کو مقصود بنانے والی قوموں کی غلامی مقدر بن جاتی ہے۔

پاکیزہ مقصد کے تعین سے زندگی پاکیزہ بنیادوں پر استوار ہونا شروع ہوتی ہے، ایمانی اور روحانی توانائی حاصل ہوتی ہے، پرانی عادتوں سے نجات ملنا شروع ہو جاتی ہے، خواہشات پر قابو پانا آسان ہونے لگتا ہے، زندگی صرف اور صرف اللہ کے لئے گزارنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

پاکیزہ نصب العین کے اتنے فوائد دیکھتے ہوئے ہمیں انفرادی، اجتماعی اور ملی سطح پر اس نصب العین کو اختیار کرنے کے لئے سنجیدگی سے غور و فکر کرنا چاہئے۔

ملت کا ایک بڑا مسئلہ بلکہ بڑا جرم یہ ہے کہ اس نے نماز جو عبدیت کے مظاہرہ کی صورت ہے، اس کا اہتمام چھوڑ دیا ہے، مشکل سے دو چار فیصد افراد نے نماز کو اپنایا ہوا ہے، اگر امت نماز کا اہتمام کرتی تو اس سے ان کی زندگی میں اتنی خیر و برکت ہوتی کہ وہ دنگ رہ جاتی، اللہ کی مدد شامل حال ہوتی، دشمنوں کے دلوں میں ان کا رعب ڈال دیا جاتا اور زندگی برکت سے عبارت ہو جاتی۔



نماز چھوڑ دینے کی وجہ سے وہ جتنے بھی مسائل کا شکار ہو کم ہے، نماز ایسی چیز ہے جو آہستہ آہستہ زندگی کے رخ کو بدل دیتی ہے اور فرد و افراد کو صبر و شکر اور ذکر کی راہ پر لگا دیتی ہے، نماز سے محرومی کے بعد اللہ کی مدد کی امید رکھنا خام خیالی ہے۔

## دوسری قوموں تک توحید کے عقیدہ کے پہنچانے کے کام سے غفلت کا ہونا

امت کا ایک دوسرا جرم یہ ہے کہ ختم نبوت کے صدقہ میں دوسروں تک توحید، رسالت اور آخرت کی دعوت پہنچانے کی ذمہ داری انہی کی ہے، دوسری قومیں تو اس عقیدہ سے محروم ہیں، ان کے پاس تو اسلام کی بنیادی تعلیمات کا سرے سے علم ہی نہیں ہے، یہ مسلمانوں کی ذمہ داری رہی ہے کہ وہ ان تک دین اسلام کی دعوت پہنچائیں، امریکہ کے ایک پادری نے ایک مسلمان دانشور سے صحیح کہا کہ تم بڑے مجرم ہو اور ہم غیر مسلموں کے جہنم میں داخلہ کے ذمہ دار بھی۔

ظاہر ہے توحید جیسے عقیدہ سے محرومی کا لازمی نتیجہ جہنم کی ابدی سزا ہی ہے، غیر مسلموں تک دعوت پہنچانے کے مختلف ذرائع ہو سکتے ہیں، کتابیں، ذاتی تعلقات کے ذریعہ پیغام پہنچانا، اسلام سے ہمہ آہنگ کردار کے ذریعہ پیام پہنچانا اور سوشل میڈیا کے ذریعہ ان کی ذہنی سطح اور اسلوب بیان کے تحت دعوت پہنچانا، یہ سارے ذرائع اختیار کر کے بھی اگر یہ فریضہ سرانجام دیا جاتا تو آج دنیا کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا، اس سلسلے میں مسلمان حکومتیں، مسلمانوں کے مقتدر طبقات (جن میں مالدار وغیرہ سب شامل ہیں) ان کی بے حسی تو آخری سطح تک پہنچی ہوئی ہے۔

عصر حاضر میں عرب ممالک کو اللہ تعالیٰ نے بے تحاشہ دولت دی ہوئی ہے، وہ اگر سنجیدگی سے کام لیتے اور اپنی دولت کا صرف ایک فیصد حصہ غیر مسلموں میں دعوت کے کام پر صرف کرتے، اس مقصد کے لئے مذاہب کے تقابلی حامل باصلاحیت افراد تیار کرتے، ان کے ذریعہ غیر مسلم ملکوں میں اپنے لوگ متعین کرتے تو کافی سے زیادہ غیر مسلموں کو اسلام کی

دولت سے بہرہ ور کیا جا سکتا تھا، لیکن شاید ان کی قسمت میں نیکی کا یہ بہت بڑا کام نہیں تھا، قسمت کو ذمہ دار تو نہیں ٹھہرایا جا سکتا، بلکہ یہ دولت کی محبت اور موت سے خوف زدگی کی حالت ہی ہے، جو انہیں ایسا کرنے نہیں دے رہی، سچ فرمایا اللہ کے رسول ﷺ نے کہ ایک دور ایسا آئے گا کہ کافر قومیں مسلمانوں پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی، جس طرح بھوکا کھانے کے دستر خوان پر ٹوٹ پڑتا ہے، صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ کیا اس دور میں مسلمان کی تعداد کم ہوگی (جس کی وجہ سے ان کی یہ حالت ہوگی) آپ نے فرمایا نہیں، مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی، صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ اس کا سبب کیا ہوگا، آپ نے فرمایا وھن (کی بیماری) صحابہ نے فرمایا وھن سے مراد کیا ہے، آپ نے فرمایا دنیا سے محبت اور موت سے خوف زدگی۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا جب زیادہ آتی ہے تو وھن کی بیماری پیدا ہو ہی جاتی ہے۔

## ریاستی مشنری میں احساس ذمہ داری کے فقدان کا ہونا

ہمارا ایک بڑا مسئلہ ریاستی نظام کی انتظامی مشنری میں احساس ذمہ داری کا فقدان ہے، جس کی وجہ سے ہر شعبے سے متعلق لوگوں کے کام رک جاتے ہیں، لوگ یا تو برسوں تک دربدر پھرتے رہتے ہیں، یا پھر رشوت دے کر کام نکالتے ہیں، یہ محض پولیس اور واپڈا کی حالت نہیں ہے، بلکہ اس اعتبار سے ہماری ساری انتظامی مشنری کی حالت قابل رحم ہے کہ وہ پریشان حال لوگوں کے مسائل کو بڑھاتی ہے، ان محکموں سے اپنے کاموں کے سلسلے میں جس کا بھی واسطہ پڑتا ہے، ان کے دلوں سے آہیں نکلتی ہیں۔

رشوت کے نظام کو ختم کرنا اور افسروں میں احساس ذمہ داری پیدا کرنا یہ ایسا کام ہے جسے چیلنج سمجھکر اس سے عہدہ برآ ہونا چاہئے۔

ہمارا ایک مسئلہ ریاست کی طرف سے لوگوں کو بنیادی معاملات میں سہولت کا نہ دینا ہے، غریب مریضوں کا علاج مفت میں ہونا چاہئے، اس سلسلے میں سرکاری اسپتالیں موجود



ہیں، لیکن ان اسپتالوں میں مریضوں کو سہولتیں میسر نہیں اور انہیں دواؤں کے اخراجات اپنی جیب سے ادا کرتے پڑتے ہیں۔

اسی طرح معاشرے کے غریبوں، محتاجوں، مسکینوں اور عمر رسیدہ بے بس افراد کی مالی مدد کی صورت موجود نہیں ہے، وہ افلاس اور بے بسی کی حالت میں عمر گزار دیتے ہیں، اس سلسلے میں مغربی معاشرے میں کسی حد تک فلاحی نظام قائم ہے جو انہوں نے اسلامی تعلیمات ہی سے لیا ہے ہمیں اس سلسلے میں پیش قومی کرنی چاہئے۔

عام لوگوں کو بھیڑ بکریاں سمجھکر ان سے معاملہ کرنا ہمیں اس روش پر نظرثانی کرنی چاہئے۔

## اچھی قیادت سے محرومی کے المیہ کا ہونا

ہمارا ایک مسئلہ لوگوں کو برسر اقتدار لانے میں حائل رکاوٹیں بھی ہیں، جس کی وجہ سے لوگ اچھی قیادت کی اچھی پالیسیوں سے محروم رہ جاتے ہیں، یہ رکاوٹیں جس کی طرف سے بھی ہوں، انہیں لوگوں کی حالت زار پر رحم کھا کر اچھے لوگوں کو برسر اقتدار لانے میں مزاحمت نہیں کرنی چاہئے، ان کی اس روش سے لوگوں کی آہیں ان کا پیچھا کرتی ہیں، جو انہیں آرام کی نیند سونے سے محروم رکھتی ہیں۔

جب مغربی ممالک میں لوگوں کی مرضی سے حکومتوں کی تشکیل ہوتی ہے تو آخر ہمارے ہاں ایسا کیوں نہیں ہے۔

ہمارا ایک مسئلہ اکثر سیاستدانوں کا مضبوط اور بہتر سیاسی کریکٹر سے تہی دامنی کا ہے، ان کا اصل مقصد اقتدار کا حصول ہے وہ چاہے قومی مفاد کی قربانی کی قیمت پر ہو یا اصولوں کی پامالی کی صورت میں، انہیں ہر صورت میں اقتدار چاہئے، اہل سیاست کی اس روش سے قومی تعمیر کا کام کیسے ہو سکتا ہے، ستر پچتر سالہ تجربات کے بعد تو اہل سیاست کی اس روش میں تبدیلی آنی

چاہئے، اور قومی مفاد اور اصولوں کی خاطر ہر قسم کی قربانی دینے اور ڈٹ جانے کا حوصلہ ہونا چاہئے۔

## مالداروں کی سنگ دلی کا ہونا

ہمارا ایک مسئلہ سرمایہ داروں اور مالداروں کی سنگ دلی کا بھی ہے کہ اللہ نے پاکستان کی بدولت انہیں بہت کچھ دیا ہے، اتنا کچھ کہ جس کا وہ ہندستان میں تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، غریبوں کی حالت زار کو دیکھکر وہ ملک بھر میں ایسا انتظام کر سکتے تھے، جس سے ہر غریب کو دو وقت کا کھانا میسر ہو، مسلمان کی حیثیت سے بھی یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ قرآن نے غریبوں کو کھانا کھلانے کی غیر معمولی اہمیت بیان کی ہے اور وسائل ہونے کے باوجود ایسا نہ کرنے پر سخت سزا کی وعید سنائی گئی ہے، ایسا کرنے سے ان کی دولت میں بھی کوئی خاص کمی واقع نہ ہوتی، بلکہ اللہ کی طرف سے برکت کی وجہ سے ان کے مال میں مزید اضافہ ہوتا ،مالداروں اور سرمایہ داروں کو اب بھی غور و فکر کرنا چاہئے۔

## جدید میڈیا کی طرف سے درپیش چیلنج

مسلمانوں کو اس دور میں ایک بڑا چیلنج جو درپیش ہے وہ یہ ہے کہ جدید میڈیا کی طرف سے بے حیائی، فحاشی اور جنسی مناظر و مظاہر سے وہ اپنے آپ کو اور اپنی نسلوں کو کس طرح بچائیں، اس لئے کہ ایک تو یہ مناظر افراد کی اسلامیت کو خطرے میں ڈالنے کا ذریعہ بنتے ہیں، دوسرے یہ کہ یہ جنسی مظاہر دیکھنا نفس کا سب سے محبوب مشغلہ ہے، نفس کو اس سے سب سے زیادہ لذت ہوتی ہے، اس کی وجہ سے جنسی اشتعال میں غیر معمولی اضافہ ہوتا ہے، اور خیالات کی پاکیزگی کا عمل غیر معمولی طور پر متاثر ہوتا ہے۔

یہ چیلنج ایسا ہے جس کا مقابلہ ایمان و یقین کی غیر معمولی طاقت سے ہی کیا جا سکتا ہے، اس کی دوسری کوئی صورت نہیں ہے، یہ اتنا بڑا چیلنج ہے کہ امت کو اس سے پہلے اس طرح کا



چیلنج کبھی درپیش نہیں ہوا کہ کروڑوں سے زیادہ انسان ہر وقت فکری غلاظت سے دوچار رہتے ہیں۔

## بے کرداری کے چیلنج کا ہونا

مسلمانوں کو ایک چیلنج بے کرداری کا ہے، کردار بننے نہیں پاتا اور اخلاق میں بہتری کی صورت پیدا نہیں ہو پاتی، معاملات میں بگاڑ رہتا ہے، جس کی وجہ سے معاشرہ فساد سے دوچار رہتا ہے۔

ایمان کے باوجود بے کرداری کی حالت افسوسناک ہی نہیں، بلکہ المناک ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عبادت میں وہ جان نہیں ہے جس سے کردار بن سکے۔

## سیکولر طرز فکر کے بڑھتے ہوئے رجحان کا ہونا

ہمیں ایک اور چیلنج جو درپیش ہے وہ یہ ہے کہ سیکولر طرز فکر اور سیکولر طرز معاشرت میں اضافہ ہو رہا ہے، مقتدر طبقات اور جدید تعلیم سے بہرہ ور افراد سیکولر طرز زندگی کو پسند کرتے ہیں، وہ اجتماعی زندگی کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو اپنے لئے سخت دشوار محسوس کرتے ہیں، وہ دین و مذہب کو عبادت کے دائرہ تک محدود رکھنا چاہتے ہیں، سیکولر فکر سے ان کی طبعی مناسبت پیدا ہوتی جا رہی ہے، چونکہ ریاستی نظام مقتدر طبقات کے ہاتھوں میں ہے، اس لئے وہ پورے ریاستی نظام کو سیکولرازم کی بنیاد پر استوار کرنا چاہتے ہیں۔

## اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کا ہونا

ہمیں ایک اور چیلنج کا سامنا ہے، وہ چیلنج یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ لوگوں کے معاشی حالات میں کافی بہتری آئی ہے، پہلے کے مقابلے میں غربت میں کافی کمی آئی ہے لیکن ان نعمتوں کے باوجود اللہ کی شکر ادائیگی کا جذبہ کم ہی پیدا ہو رہا ہے، یہ سراسر ناشکری ہے، جو اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے، قرآن کی آیت ہے کہ (تم اگر (نعمتوں کا)

شکر ادا کروگے تو تمہیں مزید نعمتیں دی جائیں گی لیکن اگر کفر کروگے (کفران نعمت کروگے) تو میرا عذاب شدید ہے۔

پھر ہمارے علم اور عمل کے درمیان تضاد کی حالت بڑھ رہی ہے، علم بھی ہے اور ساتھ ساتھ بے عملی بھی ہے، علم بھی ہے کردار کا بحران بھی ہے، دوسروں کے لئے تو تلقین ہے، لیکن اپنی ذات فراموش ہے، معلوم ہوتا ہے علم نفس کی قوتوں کے سامنے بے بس ہے، سبب یہ ہے کہ علم کے ساتھ پاکیزہ اخلاقی اور روحانی تربیت کا نظام مفقود ہے، اس لئے علماء کا بڑا طبقہ وعظ و نصیحت میں تو آگے ہے، لیکن عمل اور کردار میں پیچھے ہے، جس کی وجہ سے ان کی تقریر اور گفتگو میں وہ تاثیر نہ رہی ہے۔

یہ حالات ہیں جس سے ہم دوچار ہیں ان حالات میں نفس پرستی میں اضافہ ہو رہا ہے، مغربیت سے مرعوبیت اور اس کی نقالی کی روش تیز تر ہے، گانے بجانے کا سامان گھر گھر پہنچ گیا ہے، دل اور ذہن پر دنیا کا رنگ غالب ہے، نفسا نفسی کی حالت بڑھتی جارہی ہے۔

ہماری ان ساری خرابیوں کے باوجود مسلمانوں کو اہل مغرب پر کئی اعتبار سے فوقیت حاصل ہے اور اہل مغرب کئی اعتبار سے مسلمانوں سے پیچھے ہیں، اس کی وجہ سے وہ زیادہ بحرانوں کا شکار ہیں۔

ایک یہ کہ مسلمانوں کے ہاں عورت کی عزت و تکریم کا اہتمام موجود ہے اور شرم و حیا کی فضا بڑی حد تک موجود ہے، نیز عورت گھر کا محاذ سنبھالے ہوئی ہے، اگرچہ عورتوں میں ملازمت کا رجحان موجود ہے، لیکن وہ غالب نہیں ہے۔

مغرب میں عورت کی جو حالت ہے، اس کی تصویر کشی یورپ کی ایک نو مسلم خاتون نے بہتر الفاظ میں کی ہے، اس کا کہنا ہے کہ مغرب میں عورت کو گھر سے اس لئے نکالا گیا ہے تاکہ مرد ہر وقت عورت کا نظارہ کرتا رہے، نیز وہاں مرد عورت کے جسم کے ساتھ چمٹا رہنا چاہتا ہے۔



دوسری چیز جس میں مسلمانوں کو اہل مغرب پر فوقیت حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا خاندانی نظام اب تک بڑی حد تک محفوظ ہے، جو ان کے لئے سہارے کی حیثیت رکھتا ہے، جب کہ مغرب میں خاندانی نظام شدید ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے، جس تہذیب کے علمبرداروں کے ہاں خاندانی نظام نہیں ہے، وہ تہذیب اندر سے کھوکھلی ہو جاتی ہے اور اس تہذیب سے وابستہ افراد کی دلیں ویران ہو جاتی ہیں، دلوں کی ویرانی کی قیمت پر مادی خوشحالی فرد کے اس لباس کی طرح ہے جس لباس میں ڈھکا ہوا فرد مکمل ناپاکی کا مظہر ہو۔

تیسری چیز جس میں مسلمانوں کو اب بھی اہل مغرب پر برتری حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاں مغرب کے مقابلے میں ذہنی، نفسیاتی اور وجدانی بیماریاں بہت کم ہیں، یہ پاکیزہ اسلامی تہذیب (جسے حکومتوں کی سرپرستی حاصل نہ ہونے کے باوجود) اس کے اثرات ہیں۔

مسلمانوں کو حاصل ان ساری خصوصیات میں بھی سب سے بڑی خصوصیت جو حاصل ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول اور آخرت پر ایمان ہے، جو سب سے بڑی نعمت ہے۔

کوشش ہونی چاہئے کہ مسلمانوں کی ان صفات و خصوصیات میں اضافہ ہونا چاہئے اور جدید میڈیا کے ذریعہ بے حیائی کا جو طوفان کھڑا ہے، اس سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو۔